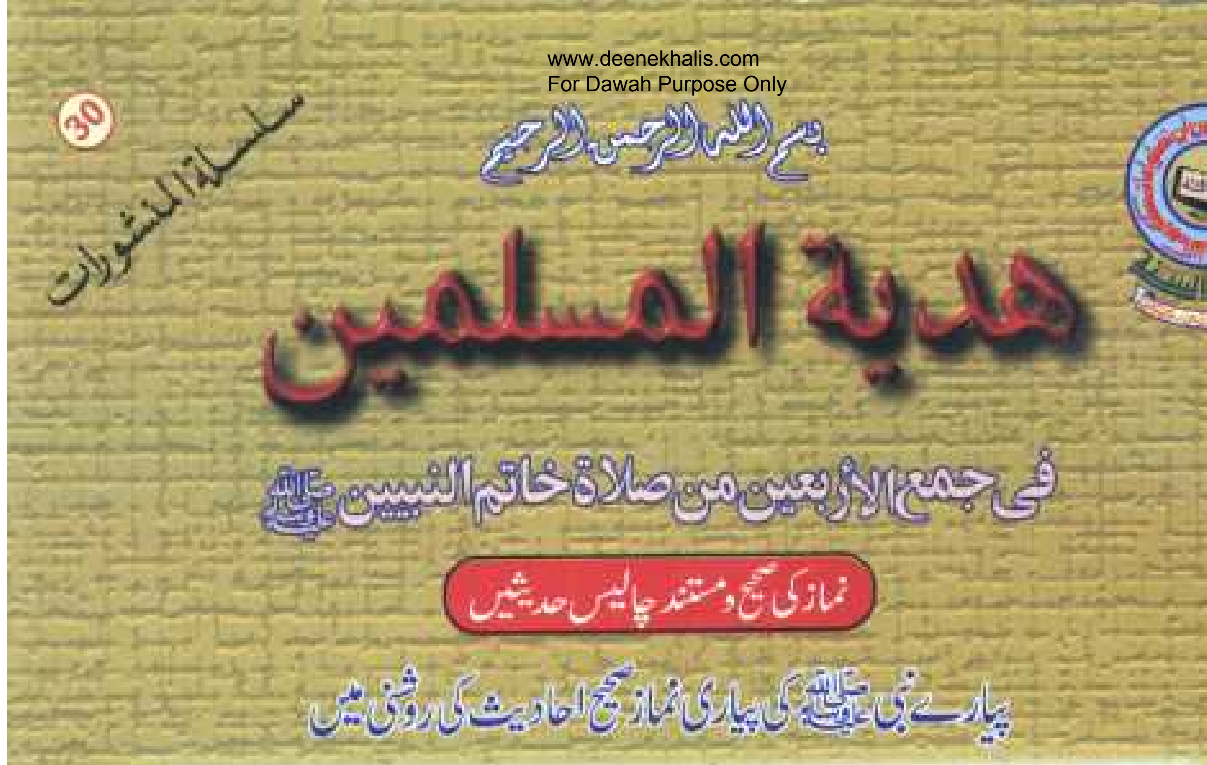


هدية المسلمين

في جمع الأربعين من صلاة خاتم النبيين ﷺ

نماز کی صحیح و مستند چالیس حدیثیں

پیارے نبی ﷺ کی پیاری نماز صحیح احادیث کی روشنی میں



تصنیف: حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

مقدمہ: فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نظر ثانی: محمد افضل

ناشر: مکتبۃ السنۃ الدار السلفیۃ لنشر التراث الاسلامی
18۔ سفید مسجد۔ سولجر بازار نمبر 1 کراچی 74400 فون نمبر: 7226509

سلسلة المنشورات (30)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هدية المسلمين

فی جمع الأربعين من صلاة خاتم النبيين ﷺ

نماز کی صحیح و مستند چالیس حدیثیں

پیارے نبی ﷺ کی پیاری نماز صحیح احادیث کی روشنی میں



تصنیف: حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ

مقدمہ:
فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

نظر ثانی: محمد افضل

ناشر ◎ مکتبۃ السنۃ الدار السلفیۃ لنشر التراث الاسلامی
18۔ سفید مسجد۔ سولجر بازار کراچی 74400 فون نمبر: 7226509

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : (۱) ھدیۃ المسلمین فی جمع الأربعین من صلاۃ خاتم النبیین ﷺ

(2) پیارے نبی ﷺ کی پیاری نماز صحیح احادیث کی روشنی میں

مؤلف : حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ تعالیٰ

مقدمہ : حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ تعالی

نظر ثانی : محمد افضل خلیل احمد الأثری

مضمون : نماز

تعداد صفحات : 96

طابع : عبدالمھیمن

تاریخ اشاعت : ربیع الاوّل 1420ھ

ناشر : مکتبۃ السنۃ 18۔ سفید مسجد سولجر بازار نمبر 1 کراچی فون 7226509

ملنے کے پتہ جات

1۔ ڈاکٹر خالد محمود بھٹی ۔ ہومیو سینٹر ۔ نزد ٹرک اڈا ۔ حضرو ۔ ضلع اٹک

2۔ فاروقی کتب خانہ الفضل مارکیٹ ۔ اردو بازار ۔ لاہور

3۔ فاروقی کتب خانہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

4۔ المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ ۔ لاہور

5۔ مکتبہ ناصریہ ۔ حاجی آباد ۔ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مولانا حافظ زبیر علی زئی (حفظہ اللہ) جماعت اہلِ حدیث کے نامور فاضل، محقق عالم اور کامیاب مناظر ہیں، تحقیقِ حدیث ان کا خاص موضوع ہے، حمیتِ حدیث ان کا امتیاز اور صیانتِ حدیث ان کا مقصدِ زندگی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کبھی بھی اور جہاں کہیں سے بھی حدیث پر حملہ ہو، چاہے وہ انکار کی صورت میں ہو یا دور از کار تاویل کی صورت میں یا لفظی و معنوی تحریف کی صورت میں، موصوف بے قرار ہو جاتے اور ان کا خار اشگاف قلم حرکت میں آجاتا ہے۔

چنانچہ مولانا موصوف کی اب تک جتنی بھی کتابیں منظر عام پر آئی ہیں وہ سب مذکورہ مذموم مساعی ہی کے ردّ و ابطال میں ہیں اور ان کے جذبۂ صیانت و حمایت حدیث کے جذبے کی مظہر ہیں۔ زیرِ تبصرہ کتاب بھی، جس میں انہوں نے نبی ﷺ کی چالیس مستند حدیثیں، مع فوائد و تشریحات، جمع کی ہیں ایک ایسے صاحب کے جواب میں ہے جنھوں نے چالیس حدیثیں ایک کتاب میں جمع کر کے شائع کیں اور ان سے حنفی نماز کو نمازِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم، ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی، کیونکہ وہ حدیثیں ضعیف اور صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔

مولانا علی زئی صاحب کی اس مختصر تألیف سے مسنون نماز کے بیشتر مسائل کی توضیح بھی ہو جاتی ہے اور نمازِ نبوی کو جس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا تھا، اس کی نقاب کشائی بھی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام والمسلمین خیر الجزاء۔

صلاح الدین یوسف
جامع اہلحدیث، مدنی روڈ، مصطفیٰ آباد لاہور
ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق جولائی 1998

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والصلاۃ والسلام علی رسولہ الامین: اما بعد۔ "ھدیۃ المسلمین" فی جمع الاربعین، من صلوۃ خاتم النبیین (صلی اللّٰہ علیہ وسلم)

نیت کی فرضیت کا بیان

حدیث: ۱

((عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: "انما الاعمال بالنیات ...."۔ الخ))

"عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ: اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے....."

(صحیح متفق علیہ: صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۲، واللفظ لہ، وصحیح مسلم ج۔۲، ص۔۱۴۰)

(۱) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وضو، غسل جنابت، نماز وغیرہ میں نیت کرنا فرض ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ دیکھئے "الایضاح عن معانی الصحاح" لابن ھبیرۃ

ج۔۱' ص۔۵۹) سوائے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے' ان کے نزدیک وضو اور غسل جنابت میں نیت واجب نہیں' سنت ہے۔ ("الهداية" مع الدراية ج۔۱' ص۔۲۰ كتاب الطهارات) یہ حنفی فتویٰ درج بالا حدیث اور دیگر دلائل شرعیہ کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۲) یاد رہے کہ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ زبان سے نیت پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: "نیت دل کے ارادے اور قصد کو کہتے ہیں۔ قصد وارادہ کا مقام دل ہے زبان نہیں۔" (الفتاوى الكبرى ج۔۱' ص۔۱) امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "زبان سے نیت کرنا نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے' نہ کسی صحابی سے نہ تابعی سے اور نہ ہی ائمہ اربعہ سے" (زاد المعاد ج۔۱' ص ۲۰۱) لہٰذا زبان سے نیت کی ادائیگی بدعت ہے۔ یہ کس قدر افسوس ناک عجوبہ ہے کہ دل سے نیت کرنا واجب ہے مگر اس کا درجہ کم کرکے اسے محض سنت قرار دیا گیا۔ جبکہ زبان سے نیت پڑھنا بے اصل ہے مگر اسے ایسا "مستحب" بنا ڈالا گیا جس پر امر واجب کی طرح' پوری شدومد کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔

(۳) کسی عمل کے عنداللہ مقبول ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ (۱) عامل کا عقیدہ کتاب وسنت اور فہم سلف کے مطابق ہو۔ (۲) عمل اور طریقہ کار بھی کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ (۳) اس عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لیے سرانجام دیا جائے۔

وضو کا طریقہ

حدیث: ۲

((عن حمران مولی عثمان انه رای عثمان بن عفان دعا باناء فافرغ علی کفیه ثلاث مرار فغسلهماثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلثا ویدیه الی المرفقین ثلاث مرار' ثم مسح براسه ثم غسل رجلیه ثلاث مرار الی الکعبین... الخ))

"حمران مولی عثمان نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو (وضو کرتے ہوئے) دیکھا: آپ نے برتن منگایا' پھر اپنی ہتھیلیوں پر تین دفعہ پانی بہایا اور انہیں دھویا۔ پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں داخل کیا۔ (تین دفعہ) کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا پھر تین دفعہ اپنا چہرہ دھویا۔ اور تین دفعہ ہی دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے۔ پھر آپ نے سر کا مسح کیا۔ پھر تین دفعہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوئے۔ الخ"

اور (پھر وضو کی) اس (کیفیت) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ **(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۲۷۔۲۸ و صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۱۹' ۱۲۰)**

فوائد:

(۱) وضو کا یہ طریقہ افضل ہے۔ تاہم اعضاء کا ایک ایک یا دو دو دفعہ دھونا بھی جائز ہے۔ **(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۲۷)**

(۲) وضو میں پورے سر کا مسح مشروع ہے جیساکہ درج بالا حدیث اور حدیث عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ (صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۳۲) سے ثابت ہے۔ بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ صرف چوتھائی سر کا مسح فرض ہے۔ بلا دلیل ہے۔ عمامہ والی حدیث عمامہ کے ساتھ ہی مختص ہے اس لیے منکرین مسح عمامہ کا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۳) وضو کے دوران کوئی دعا پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے۔ امام نسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلۃ کی ایک روایت (الکبری للنسائی ۹۹۰۸) میں آیا ہے کہ جناب ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ نے وضو کیا۔ پس میں نے آپ کو یہ دعا پڑھتے ہوئے سنا: "اللھم اغفرلی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی رزقی" اس کی سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اور ابو مجلز نے ابو موسیٰ سے کچھ بھی نہیں سنا۔ (دوسرا یہ کہ اس کا تعلق وضو کے بعد سے ہے جیساکہ مسند احمد وغیرہ میں صراحت ہے۔

کانوں کا مسح

حدیث: ۳

((عن عبداللّٰہ بن عباس۔وذکر الحدیث،وفیہ۔ثم قبض قبضۃ من الماء، ثم نفض یدہ ثم مسح بھا راسہ واذنیہ۔ الخ))

"عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔۔۔۔: پھر آپ نے ایک چلو پانی لے کر اسے بہا دیا۔ سر اور کانوں کا مسح کیا۔۔۔ الخ۔"

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (مرفوعاً) بیان کیا ہے۔ (سنن ابی داود ج۔۱، ص۔۲۰ المجتبائیہ۔ ۱۳۷ حدیث)

اس کی سند حسن ہے، اسے امام حاکم نے بھی مستدرک۔۱/ ۱۴۷ میں روایت کیا ہے علاوہ ازیں کتب حدیث میں اس کے متعدد شواہد ہیں۔

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سر کے ساتھ کانوں کا مسح بھی کرنا چاہیئے۔

(۲) مقبول احادیث میں سر اور کانوں کے مسح کا ذکر ہے لیکن گردن کے مسح کا ذکر نہیں۔

(۳) التلخیص الحبیر ج۱، ص۔۹۳، میں ابوالحسین بن فارس کے جزء سے بلا سند عن فلیح بن سلیمان عن نافع عن ابن عمر منقول ہے کہ: ((ان النبی صلی اللّٰہ علیہ قال:من توضأ ومسح بیدیہ علی عنقہ، وقی الغل یوم القیامۃ)) جس نے وضو کیا اور اپنے

دونوں ہاتھوں سے گردن کا مسح کیا وہ روز قیامت گردن میں طوق پہنائے جانے سے بچ جائے گا۔

اس روایت کو اگرچہ ابن فارس نے: "ھذا ان شاء اللہ حدیث صحیح" کہا ہے۔ مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ (بین ابن فارس وفلیح مفازۃ' فینظر فیھا) ابن فارس اور فلیح کے درمیان وہ بیابان ہے جس میں پانی نہیں ہے۔ پس اس کی ابن فارس سے فلیح تک سند دیکھنی چاہیئے۔ (یعنی یہ روایت بلا سند ہے چونکہ دین کا دارومدار اسانید پر ہے لہٰذا یہ بے سند روایت سخت مردود ہے۔)

(۴) "چالیس حدیثیں" کے مصنف محمد الیاس نے یہ جھوٹ لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے التلخیص الحبیر میں اس روایت کو صحیح لکھا ہے۔

(۵) محمد الیاس تقلیدی نے یہ بھی جھوٹ لکھا ہے کہ علامہ شوکانی نے نیل الاوطار میں بھی ایسا ہی (یعنی اسے صحیح) لکھا ہے (ص۔۶)، حالانکہ نیل الاوطار میں اس پر جرح موجود ہے (ج۔۱، ص۔۱۶۴ طبع بیروت لبنان)

(۶) نبی ﷺ نے عمامہ پر مسح کیا ہے (صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۳۳ حدیث۔۲۰۵) اس کے برعکس ہدایہ ج۔۱، ص۔۴۴ پر لکھا ہوا ہے کہ عمامہ پر مسح کرنا جائز نہیں ہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) ہدایہ کا یہ فتویٰ بخاری کی حدیث کے مقابلہ میں مردود ہے۔

وضوء میں جرابوں پر مسح

حدیث: ۴

((عن ثوبان قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم سرية ..... امرهم ان يمسحوا على العصائب والتساخين))

"ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کی ایک جماعت بھیجی .....انہیں حکم دیا کہ پگڑیوں اور پاؤں کو گرم کرنے والی اشیاء (جرابوں اور موزوں) پر مسح کریں۔"

(سنن ابی داود ج۔۱' ص۔۲۱' ح۔۱۴۶) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ اسے امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے صحیح کہا ہے (المستدرک والتلخیص ج۔۱' ص۔۱۶۹) اس پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی جرح کے جواب کے لیے نصب الرایہ (ج۔۱' ص۔۱۶۵) وغیرہ دیکھیں۔

جرابوں پر درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسح کیا ہے۔

علی بن ابی طالب' ابو مسعود' (ابن مسعود)' براء بن عازب' انس بن مالک' ابوامامہ اور سہل بن سعد وغیرہم رضی اللہ عنہم (سنن ابی داود ج۔۱' ص۔۲۴)۔

امام ابن قدامہ المقدسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

((ولان الصحابة رضی الله عنهم مسحوا على الجوارب ولم يظهر لهم

مخالف فی عصرهم فکان اجماعا))
"کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جرابوں پر مسح کیا ہے اور ان کے زمانے میں ان کے اس عمل کی مخالفت بھی نہیں ہوئی۔ پس یہ (صحابہ کا) اجماع ہے (کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے)۔"
(المغنی ج۔۱' ص۔۱۸۱ مسئلہ نمبر ۴۲۶ نیز دیکھئے الاوسط لابن المنذر ج۔۱' ص۔۴۶۴' ۴۶۵' المحلی ج۔۲' ص۔۸۷ وغیرھما۔)
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ خفین (موزوں)' جوربین مجلدین اور جوربین منعلین پر مسح کے قائل تھے مگر جوربین (جرابوں) پر مسح کے قائل نہیں تھے۔ (دیکھئے الھدایۃ ج۔۱' ص۔۶۱ وغیرہ)
مگر بعد میں آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ اور مُفْتٰی بِہٖ قول بھی یہی ہے کہ جرابوں پر مسح جائز ہے۔ (الھدایۃ۔ ایضًا) (۱)
صحیح احادیث' اجماع صحابہ' قول ابی حنیفہ اور مفتی بہ قول کے مقابلہ میں دیوبندی و بریلوی حضرات کا یہ دعوی ہے کہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے۔ اس دعویٰ پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۱) جامع ترمذی بتحقیق العلامہ احمد محمد شاکر رحمہ اللہ۔ج 1 ص 169 میں ہے :[قال ابو عیسیٰ : سمت صالح بن محمد الترمذی قال: سمعت ابا مقاتل السمرقندی یقول: دخلت علیٰ أبی حنیفة فی مرضه الذی مات فیه، فدعا بماء فتوضأ، وعلیه جورباں، فمسح علیهما، ثم قال فعلت الیوم شیئًا لم أکن افعله مسحت علی الجوربین وهما غیر منعلین] (از ناشر)

اول وقت نماز کی فضیلت

حدیث : ۵

((عن عبداللّٰہ بن مسعود قال : سالت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ای العمل افضل؟ قال : الصلوۃ فی اول وقتھا))

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ : میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: "اول وقت پر نماز پڑھنا۔"

(صحیح ابن خزیمہ ج۔۱، ص۔ ۱۶۹، ح۔۳۲۷ وصحیح ابن حبان: موارد الظمآن ج۔۱، ص۔۴۲۸، ح۔۲۸۰)

اسے امام حاکم اور امام ذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرک وتلخیصہ ج۔۱، ص ۱۸۸، ۱۸۹)

فوائد:

(۱) اس صحیح حدیث سے اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ صحابی رسول: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے بہترین اور فضیلت والے عمل کے متعلق دریافت کیا۔ تو آپ نے اول وقت نماز پڑھنے کو افضل عمل قرار دیا۔

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ایسے اعمال کی جستجو میں رہتے تھے جو بہترین اور افضل ہوں تاکہ وہ ایسے اعمال سرانجام دے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں۔

(۳) تاخیر سے نماز پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ اور عمل صحابہ کرام کے خلاف ہے اور یہ منافق کا فعل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تلک صلوۃ المنافق یہ (تاخیر سے نماز پڑھنا) منافق کی نماز ہے۔

نماز ظہر کا وقت

حدیث : ٦

((عن انس بن مالک قال : کنا اذا صلینا خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بالظهائر سجدنا علی ثیابنا اتقاء الحر))

''انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نمازیں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔''

(صحیح البخاری ج۔١، ص۔٧٧ واللفظ له وصحیح مسلم ج۔١، ص۔ ٢٢٥)

فوائد:

(١) اس روایت اور دیگر احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے۔ اور ظہر کی نماز اول وقت پڑھنی چاہئے۔

(٢) اس پر اجماع ہے کہ ظہر کا وقت زوال کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے، (الافصاح لابن هبیرة ج۔١، ص۔٧٦)

(٣) جن روایات میں آتا ہے کہ جب گرمی زیادہ ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو ان تمام احادیث کا تعلق سفر کے ساتھ ہے جیسا کہ (صحیح البخاری ج۔١، ص۔ ٧٧) وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضر کے ساتھ نہیں۔

جو حضرات سفر والی ان روایات کو حدیث بالا وغیرہ کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں، ان کا

موقف درست نہیں انہیں چاہیے کہ یہ ثابت کریں کہ نبی ﷺ نے مدینہ منورہ میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھی ہو۔

(۴) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے جس "اثر" میں آیا ہے کہ "جب سایہ ایک مثل ہوجائے تو ظہر کی نماز ادا کرو اور جب دو مثل ہوجائے تو عصر پڑھو" (مؤطا امام مالک ج۔۱ ص۸ ح۔۹) تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز زوال سے لے کر ایک مثل تک پڑھ سکتے ہو۔ اور اس طرح ایک مثل سے لے کر دو مثل تک عصر کی نماز پڑھ سکتے ہو۔ یعنی ظہر کا وقت زوال سے لے کر ایک مثل تک ہے اور عصر کا وقت ایک مثل سے دو مثل تک ہے۔ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی حنفی نے (التعلیق الممجد ص۔۴۱ حاشیہ۔۹) میں اس موقوف اثر کا یہی مفہوم لکھا ہے۔ یہاں بطور تنبیہہ عرض ہے کہ اس "اثر" کے آخری حصہ "فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر" کی دیوبندی اور بریلوی دونوں مخالفت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ حصہ ان کے مذہب سے مطابقت نہیں رکھتا۔

(۵) سُوید بن غفلہ رحمۃ اللہ علیہ نماز ظہر اول وقت ادا کرنے پر اس قدر ڈٹے ہوئے تھے کہ مرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ مگر یہ گوارا نہ کیا کہ ظہر کی نماز تاخیر سے پڑھیں اور لوگوں کو بتایا کہ ہم ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پیچھے اول وقت پر نماز ظہر ادا کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۱ ص۔۳۲۳)

* * * * * * *

نماز عصر کا وقت

حدیث: ۷

((عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما ان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال : امنی جبریل عند البیت مرتین ..... ثم صلی العصر حین کان کل شئی مثل ظله....))

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے قریب مجھے دو دفعہ نماز پڑھائی.... پھر انہوں نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو گیا...."

(جامع ترمذی ج۔۱ ص۔۳۸ وقال ص۔۳۹ : حدیث ابن عباس حدیث حسن)
اس روایت کی سند حسن ہے۔ اسے ابن خزیمہ، ابن حبان، ابن الجارود، الحاکم ج۔۱، ص۔۱۹۳، ابن عبدالبر، ابوبکر بن العربی، النووی وغیرہم نے صحیح کہا (نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود ح۔۳۹۳) امام بغوی اور نیموی حنفی نے حسن کہا ہے (آثار السنن ص۔۸۹، ح۔۱۹۴)

فوائد:

(۱) اس روایت ودیگر احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل پر شروع ہو جاتا ہے ان احادیث کے مقابلے میں کسی ایک صحیح یا حسن روایت سے یہ

ثابت نہیں ہوتا کہ عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔

(۲) عمر رضی اللہ (فقہ عمر ص ۴۲۶ اردو) وغیرہ کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ عصر کا وقت ایک مثل سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) (سنن ابی داود ج۔۱ ص۔۶۵ ح۔۴۰۸) میں جو روایت ہے کہ "آپ عصر کی نماز دیر سے پڑھتے تاآنکہ سورج صاف اور سفید ہوتا۔"

یہ حدیث بلحاظ سند سخت ضعیف ہے۔ محمد بن یزید الیمامی اور اس کا استاد یزید بن عبدالرحمٰن دونوں مجہول ہیں دیکھئے تقریب التھذیب وغیرہ' لہٰذا ایسی ضعیف روایت کو ایک مثل والی صحیح احادیث کے خلاف پیش کرنا انتہائی غلط و قابل مذمت ہے۔

* * * * *

نماز فجر کا وقت

حدیث: ۸

((عن زید بن ثابت : انهم تسحروا مع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ثم قاموا الی الصلوٰة' قلت: کم بینهما؟ قال : قدر خمسین او ستین' یعنی آیة))

"زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا۔ پھر آپ اور آپ کے ساتھی (صبح کی) نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ میں (قتادہ تابعی) نے ان (انس رضی اللہ عنہ) سے کہا: سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ ہوتا تھا؟ تو انہوں نے کہا: پچاس یا ساٹھ آیات (کی تلاوت) کے برابر۔"

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۸۱ واللفظ له' صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۳۵۰)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز جلدی اور اندھیرے میں پڑھنی چاہیے۔

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۸۲ وصحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۳۰) کی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کی نماز پڑھتی تھیں۔ جب نماز ختم ہو جاتی تو اپنے گھروں کو چلی جاتیں۔ اور اندھیرے کی وجہ سے کوئی شخص بھی ہمیں اور نساء المومنین (مؤمنین کی عورتوں) کو پہچان نہیں سکتا تھا۔

(۲) ابوبکر رضی اللہ عنہ (فقہ ابی بکر ص۔۱۸۹) وعمر رضی اللہ عنہ (فقہ عمر ص۔ ۴۲۴' ۴۲۵) وغیرہما صبح کی نماز

اندھیرے میں پڑھنے کے قائل وفاعل تھے۔

(۳) ترمذی وغیرہ کی جس روایت میں آیا ہے کہ : اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر ح۔ ۱۵۴ ت) یعنی فجر کی نماز اسفار یعنی (جب روشنی ہونے لگے) میں پڑھو۔ اُس حدیث کی رو سے منسوخ ہے جس میں آیا ہے کہ نبی ﷺ وفات تک صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھتے رہے۔ (۱)

((ثم كانت صلوته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد الى ان يسفر))

"پھر آپ کی نماز (صبح) وفات تک اندھیرے میں تھی اور آپ نے (اس دن کے بعد) کبھی روشنی میں صبح کی نماز نہیں پڑھی۔"

(سنن ابی داود ج۔۱' ص۔ ۶۳' ح۔ ۳۹۴ والناسخ والمنسوخ للحازمی ص۔۷۷)

اسے ابن خزیمہ ' ابن حبان' الحاکم (ج۔۱' ۱۹۲' ۱۹۳) اور خطابی نے صحیح قرار دیا۔ ابن سید الناس نے حسن کہا۔ (تمہید ج۔۸' ص۔۱۸) اسامہ بن زید اللیثی کی حدیث حسن کے مرتبہ پر ہے دیکھئے سیر اعلام النبلاء ج۔۶' ص۔ ۳۴۳ وغیرہ۔

(۴) ہمارے ہاں دیوبندی وغیرہ (۲) حضرات صبح کی نماز رمضان میں سخت اندھیرے میں پڑھتے ہیں۔ اور باقی مہینوں میں خوب روشنی کر کے پڑھتے ہیں۔ پتہ نہیں فقہ کا وہ کون سا کلیہ یا جزئیہ ہے جس سے وہ اس تفریق پر عامل ہیں۔ چونکہ سحری کے بعد سونا ہوتا ہے اس لیے وہ فریضہ نماز جلدی جلدی ادا کرتے ہیں۔ یہ عمل وہ اتباع سنت کے جذبہ سے نہیں کرتے کیونکہ بدعتی شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب محمد ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

---

(۱) حدیث "اَسفِرُوا" کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ یقینی طور پر فجر ہو جائے یعنی صبح صادق ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے جیسے کہ بعض اہل علم نے یہ مراد لی ہے تو دونوں روایات میں تطبیق کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور تعارض کی صورت میں جمع کی صورت ممکن ہو تو اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

(۲) دار العلوم دیوبند میں بھی صرف رمضان میں اسی پر عمل ہے دیکھیں تفہیم البخاری پ 3 ص 34۔ بحوالہ شرح البخاری پ 3 ۔ نمازِ فجر کا وقت۔ مولانا داؤد راز۔ رحمہ اللہ۔ (از ناشر)

اذان واقامت کا مسنون طریقہ

حدیث : ۹

((عن انس قال : امر بلال ان یشفع الاذان وان یوتر الاقامة الا الاقامة))

"انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا تھا کہ اذان دہری اور اقامت اکہری کہیں۔ مگر اقامت (قد قامت الصلوۃ) کے الفاظ (دو بار کہیں)

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۸۵ واللفظ له' صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۶۴)

اسی حدیث کی ایک دوسری سند میں آیا ہے کہ :

((ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم امر بلالا))

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا تھا۔"

(سنن نسائی مع حاشية السندهی ج۔۱' ص۔۱۰۳)

فوائد:

(ا) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اذان کے الفاظ درج ذیل ہیں۔

اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر' اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر۔ اشهد ان لا اله الا اللّٰه' اشهد ان لا اله الا اللّٰه ۔ اشهد ان محمدا رسول اللّٰه' اشهد ان محمدا رسول اللّٰه ۔ حی علی الصلوة' حی علی الصلوة' ۔ حی علی الفلاح' حی علی الفلاح' ۔ اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ۔ لا اله الا اللّٰه

اور اقامت کے الفاظ درج ذیل ہیں :

اللّٰه اکبر اللّٰه اکبر ۔ اشهد ان لا اله الا اللّٰه ۔ اشهد ان محمدا رسول اللّٰه ۔ حی علی الصلوة ۔ حی علی الفلاح ۔ قد قامت الصلوة ۔ قد قامت الصلوة ۔ اللّٰه اکبر'

اللہ اکبر ۔ لا الہ الا اللہ

(۲) مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ : "ان بلالا کان یثنی الاذان ویثنی الاقامۃ" بے شک بلال رضی اللہ عنہ اذان اور اقامت دہری کہا کرتے تھے۔ لیکن یہ حدیث بلحاظ سند ضعیف ہے۔

(ا) اس کا راوی ابراہیم النخعی مدلس ہے (کتاب المدلسین للعراقی ص۔۲۴، ۳۵ واسماء المدلسین للسیوطی ص۔۹۳)

اس کی یہ روایت عن کے ساتھ ہے۔ (مدلس کی عن والی روایت محدثین کے علاوہ دیوبندیوں اور بریلویوں کے نزدیک بھی ضعیف ہوتی ہے۔)

(ب) اس کا دوسرا راوی حماد بن ابی سلیمان ہے (دیکھئے مصنف عبدالرزاق ج۔۱، ص۔۴۶۲، ح۔۱۷۹۰) حماد مذکور مدلس (طبقات المدلسین لابن حجر، المرتبۃ الثانیۃ ص۔۴۸) ہونے کے ساتھ مختلط بھی ہے حافظ ھیثمی نے کہا کہ : ولا یقبل من حدیث حماد الا ما رواہ عنہ القدماء وشعبۃ وسفیان الثوری والدستوائی، ومن عدا ھولاء رووا عنہ بعد الاختلاط یعنی حماد کی صرف وہی روایت مقبول ہے جو اس کے قدیم شاگردوں : شعبہ، سفیان ثوری اور (ھشام) الدستوائی نے بیان کی ہے۔ ان کے علاوہ سب لوگوں نے اس سے اختلاط کے بعد سنا ہے (مجمع الزوائد ج۔۱، ص۔۱۱۹، ۱۲۰) لہٰذا معمر کی حماد سے روایت ضعیف ہے۔ عدم تصریح سماع کا مسئلہ علیحدہ ہے۔

(۳) ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں دہری اقامت کا ذکر آیا ہے اس میں چار دفعہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اور چار دفعہ اشھد ان محمدا رسول اللہ ہے اس طریقے پر عمل کیا جائے تو صحیح ہے ورنہ اقامت اس حدیث سے لے لینا اور اذان حدیث بلال سے لینا سخت ناانصافی ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ورنہ نہایت مشکل ہے۔ آپ دیکھ لیں جو حضرات دہری اقامت (مثل اذان سوائے قد قامت الصلوۃ) کہتے ہیں وہ دہری اذان کبھی نہیں کہتے۔ پتہ نہیں اتباع سنت سے انہیں کیا بیر ہے۔ اللہ تعالیٰ اتباعِ سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

لباس کا بیان

حدیث : ۱۰

((عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا یصلی احدکم فی الثوب الواحد' لیس علی عاتقہ شیئی))

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا : کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایسے ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے' کہ اس کے کندھے پر کپڑے کا کوئی حصہ نہ ہو۔"

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۵۲ واللفظ لہ' صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۹۸ وفیہ "علی عاتقیہ الخ"۔)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کندھے ڈھانپنا فرض ہے۔

(۲) بعض لوگ نماز میں مردوں پر سر ڈھانپنا بھی لازمی قرار دیتے ہیں لیکن اس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۳) شمائل ترمذی (ص۔۱۷ وفی نسختنا ص۔۴) کی جس روایت میں یکثر القناع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک پر کپڑا رکھتے تھے' آیا ہے۔ یزید بن ابان الرقاشی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ یزید پر جرح کے لیے تھذیب التھذیب وغیرہ دیکھیں۔ تقریب التھذیب میں ہے زاہد ضعیف (ص۔۳۸۱) یزید بن ابان زاہد ضعیف

ہے۔

(۴) دیوبندیوں اور بریلویوں کی معتبر و مستند کتاب "در مختار" میں لکھا ہے کہ جو شخص عاجزی کے لیے ننگے سر نماز پڑھے تو ایسا کرنا جائز ہے (مع رد المحتار ج۔۱، ص۔۴۷۴)

س: "ایک کتاب میں لکھا ہے کہ جو شخص ننگے سر اس نیت سے نماز پڑھے کہ عاجزانہ درگاہ خدا میں حاضر ہو تو کچھ حرج نہیں۔"

ج: یہ تو کتب فقہ میں بھی لکھا ہے کہ بہ نیت مذکورہ ننگے سر نماز پڑھنے میں کراہت نہیں ہے۔ (فتاوی "دارالعلوم" دیوبند ج۔۴، ص۔۹۴)

احمد رضا خان بریلوی صاحب نے لکھا ہے "اگر بہ نیت عاجزی ننگے سر پڑھتے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔" (احکام شریعت حصہ اول ص۔۱۳۰)

(۵) بعض مساجد میں نماز کے دوران سر ڈھانپنے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے اس لیے انہوں نے تنکوں کی بنی ہوئی ٹوپیاں رکھی ہوتی ہیں۔ ایسی ٹوپیاں نہیں پہننی چاہئیں۔ کیونکہ وہ عزت اور وقار کے منافی ہیں کیا کوئی ذی شعور ایسی ٹوپی پہن کر کسی پر وقار مجلس وغیرہ میں جاتا ہے؟ یقیناً نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری دیتے وقت تو لباس کو خصوصی اہمیت دینی چاہیئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ ((یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد.)) اعراف ۷:۳۱ "اے اولاد آدم! تم ہر مسجد کی ، حاضری کے وقت اپنا لباس پہن لیا کرو۔"

اس کے علاوہ سر ڈھانپنا اگر سنت ہے اور اس کے بغیر نماز میں نقص رہتا ہے تو پھر داڑھی رکھنا تو اس سے بھی زیادہ ضروری ہے کیا رسول اللہ ﷺ نے داڑھی کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہے؟ اللہ تعالیٰ فہم دین اور اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔

* * *

سینے پر ہاتھ باندھنا

حدیث: ۱۱

((عن سهل بن سعد قال: كان الناس يومرون ان يضع الرجل يده اليمنى على ذراعه اليسرى في الصلاة))

"سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ ہر شخص نماز میں اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں بازو پر رکھے۔"

(صحیح البخاری ج۔۱، ح۔۷۴۰)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ آپ اگر اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں "ذراع" (بازو) پر رکھیں گے تو وہ خود بخود سینے پر آجائیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنی بائیں ہتھیلی کی پشت، رسغ (کلائی) اور ساعد (کلائی سے لے کر کہنی تک) پر رکھا (سنن نسائی حاشیہ مع السندھی ج۔۱، ص۔۱۴۱، ابوداود ج۔۱، ص۔۱۱۲، ح۔۷۲۷) اسے ابن خزیمہ (۱/ ۲۴۳ ح۔۴۸) اور ابن حبان (۲/ ۲۰۲، ح۔ ۴۸۵ موارد) نے صحیح کہا ہے۔

اس بات کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ:

((يضع هذه على صدره ..... الخ))

"آپ ﷺ یہ ہاتھ اپنے سینے پر رکھتے تھے الخ"

(مسند احمد ج۔۵، ص۔۲۲۶، واللفظ له، التحقيق لابن الجوزی ج۔۱،

ص۔۲۸۳، ح۔۴۷۷ وفی نسخة ج۔۱، ص۔۳۳۸)
اس کی سند حسن ہے دیکھئے تهذيب التهذيب، تقريب التهذيب وغيرهما

(۲) سنن ابی داؤد (ح۔۷۵۶) وغیرہ میں ناف پر ہاتھ باندھنے والی جو روایت آئی ہے وہ عبدالرحمٰن بن اسحاق الکوفی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اس شخص پر جرح، ابوداؤد کے محولہ، باب میں موجود ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا:
عبدالرحمٰن بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے (نصب الراية للزيلعي الحنفي ج۔۱، ص۔ ۳۱۴)
مزید جرح کے لیے عینی حنفی کی (البناية في شرح الهداية ج۔۲، ص۔۲۰۸) وغیرہ کتابیں دیکھیں۔ ہدایہ اولین کے حاشیہ ۱۷، (ج۔۱، ص۔۱۰۲) پر لکھا ہوا ہے کہ یہ روایت بالاتفاق ضعیف ہے۔

(۳) یہ مسئلہ کہ مرد ناف کے نیچے اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھیں کسی صحیح یا ضعیف حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ یہ مرد اور عورت کی نماز میں جو فرق کیا جاتا ہے کہ مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھیں اور عورتیں سینے پر، اس کے علاوہ مرد سجدے کے دوران بازو زمین سے اٹھائے رکھیں اور عورتیں بالکل زمین کے ساتھ لگ کر بازو پھیلا کر سجدہ کریں یہ سب اہل الرائے کی موشگافیاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم سے نماز کی ہیئت، تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک مرد و عورت کے لیے ایک ہی ہے۔ صرف لباس میں فرق ہے کہ عورت ننگے سر نماز نہیں پڑھ سکتی اور اس کے ٹخنے بھی ننگے نہیں ہونے چاہئیں۔

(۴) انس رضی اللہ عنہ سے تحت السرة (ناف کے نیچے) والی روایت سعید بن زربی کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

* * * * *

دعائے استفتاح

حدیث: ۱۲

((عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اقول: اللهم باعد بينی وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب' اللهم نقنى من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس' اللهم اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد))

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں (نماز میں سکتہ اولیٰ میں) کہتا ہوں: اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ' اَللّٰهُمَّ نَقِّنِيْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ' اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ))

(صحيح البخاری ج۔۱' ص۔۱۰۳ واللفظ له' صحيح مسلم ج۔۱' ص۔۲۱۹)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سکتہ اولیٰ میں اللهم باعد بینی والی دعا پڑھنی چاہئے۔

(۲) عمر رضی اللہ عنہ سے سبحانک اللهم وبحمدک والی موقوف' غیر مرفوع روایت مروی ہے۔ صحیح مسلم ح۔۳۹۹) یہ ثنا بھی جائز ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم والی دعاء بہتر ہے۔

(۳) عمر رضی اللہ عنہ والا اثر: سبحانک اللهم الخ تہجد کی نماز کے ساتھ تعلق رکھتا ہے دیکھئے سنن

ابی داؤد ج۔۱ ص۔۱۲۰ ح۔۷۷۵ وغیرہ۔

(۴) ان کے علاوہ بعض دیگر دعائیں بھی ثابت ہیں۔

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ تحقیق ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی (اس دعا کی بجائے) سورت فاتحہ پڑھے اور اسے امام سے پہلے ختم کرے۔ دیکھئے (آثار السنن مترجم ص۔۲۲۳ ح۔۳۵۸ وقال: اسنادہ حسن) اور یہی تحقیق بعض تابعین کی بھی ہے۔

(۶) آثار السنن وغیرہ کتب آل تقلید کے حوالے اہل التقلید پر بطور الزام واتمام حجت کے پیش کئے جاتے ہیں۔

بسم اللہ، اونچی آواز سے پڑھنا

حدیث: ۱۴

((عن عبدالرحمن بن ابزی قال: صلیت خلف عمر فجهر ببسم اللّٰه الرحمن الرحیم))

"عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے بسم الله بالجهر (اونچی آواز کے ساتھ) پڑھی۔"

(مصنف ابن ابی شیبه ج۔۱، ص۔۴۱۲، شرح معانی الآثار للطحاوی ج۔۱، ص۔۱۳۷، السنن الکبری للبیهقی ج۔۲، ص۔۴۸) اس کے تمام راوی ثقہ وصدوق ہیں۔ اور سند متصل ہے۔ لہٰذا یہ سند صحیح ہے۔

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کا جهرًا بسم اللّٰه الرحمن الرحیم پڑھنا بالکل صحیح ہے۔

(۲) عبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے بھی بسم اللہ بالجہر ثابت ہے۔ (جزء الخطیب وصححه الذهبی فی مختصر الجهر بالبسملة للخطیب ص۔۱۸۰، ح۔۴۱) اسے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔

(۳) بسم الله سرًا (آہستہ) پڑھنا بھی صحیح اور جائز ہے جیساکہ صحیح مسلم (ح۔۳۹۹) وغیرہ

سے ثابت ہے۔

(۴) عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے راویوں کی مختصر توثیق درج ذیل ہے۔

ا۔ عبدالرحمٰن بن ابزی رضی اللّٰہ عنہ' صحابی صغیر ہیں۔ (تقریب التھذیب ص۔۳۰۳)

ب۔ سعید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللّٰہ' ثقہ ہیں۔ (تقریب التھذیب ص۔۱۸۹)

ج۔ ذر بن عبداللّٰہ ثقۃ عابد رمی بالارجاء تھے۔ (تقریب التھذیب ص۔۱۵۱)

د۔ عمر بن ذر ثقۃ رمی بالارجاء تھے۔ (تقریب التھذیب ص۔۳۸۲)

ھ۔ عمر بن ذر سے روایت خالد بن مخلد' ابو احمد' ابن قتیبہ نے بیان کی ہے۔ ان راویوں کی توثیق کے لیے تہذیب وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

نماز میں سورت فاتحہ پڑھنا

حدیث: ۱۴

((عن عبادة بن الصامت ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال : لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب))

"عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جو سورت فاتحہ نہ پڑھے۔"

(صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۰۴ وصحیح مسلم ج۔۱ ص۔۱۶۹)

اس حدیث کے راوی عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ فاتحہ خلف الامام کے (جہری وسری میں) قائل وفاعل تھے۔ (کتاب القراء ت للبیہقی ص۔۶۹ ح۔۱۳۳ واسنادہ صحیح نیز دیکھئے احسن الکلام للدیوبندی ج۔۲ ص۔۱۴۲ط دوم)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی چاہے امام ہو یا مقتدی یا منفرد دیکھئے :تبویب صحیح البخاری، اعلام الحدیث فی شرح صحیح البخاری للخطابی ج۔۱ ص۔۵۰۰ وغیرہ ۔

(۲) یہ حدیث متواتر ہے (جزء القراءۃ للبخاری ص۔۷)

(۳) سورت المزمل کی آیت "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں مقتدی پر قراءت واجب (یعنی فرض) ہے دیکھئے (نور الانوار ص۔۱۹۳، ۱۹۴ احسن الحواشی شرح اصول الشاشی ص۔۸۲ حاشیہ۔۷ غایۃ التحقیق شرح الحسامی

ص۔۱۷۳' النافی شرح الحسامی ص۔۱۵۵'۱۵۶ ج۔۱' معلم الاصول ص۔۲۵۰ وغیرہ)
حدیث بالا نے اس قراءت کا تعین سورت فاتحہ سے کردیا ہے۔

(۴) آیت "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" کا تعلق سورت فاتحہ کے ساتھ نہیں ہے۔ تحقیق کے لیے دیکھئے امام عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب "تحقیق الکلام" وغیرہ بلکہ اس آیت کریمہ کا تعلق کفار کی تردید سے ہے۔ دیکھئے (تفسیر قرطبی ج۔۱' ص۔۱۲۱' تفسیر البحر المحیط ج۔۴' ص۔۴۴۸ وغیرھما)

(۵) حدیث "واذا قرأ فانصتوا" ما عدا الفاتحة پر محمول ہے کیونکہ اس کے راوی' صحابی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فاتحہ خلف الامام کا جہری نماز میں حکم دیا ہے۔ دیکھئے حدیث نمبر۔۱۲' فائدہ۔۵۔

(۶) جمہور صحابہ کرام سے سورت فاتحہ خلف الامام ثابت ہے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب "الکواکب الدرية فی وجوب الفاتحة خلف الامام فی الصلوة الجهرية" (مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ' لاہور پاکستان)

(۷) انصات کا مطلب مکمل خاموشی نہیں ہوتا بلکہ سکوت مع الاستماع ہے سرًّا پڑھنا انصات کے منافی نہیں جیسا کہ ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں تفصیلا لکھا ہے۔ اور نسائی وغیرہ کی حدیث: پھر خاموش رہے (اور جمعہ کا خطبہ سنے) حتی کہ امام نماز سے فارغ ہوجائے۔ بھی اس کی تائید کرتی ہے۔

(۸) سورت فاتحہ کی اتنی اہمیت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز قرار دیا ہے۔ حدیث قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے نماز کو اپنے اور بندے کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کرلیا ہے۔ جب بندہ کہتا ہے الحمد لله رب العالمين تو میں کہتا ہوں حمدنی عبدی میرے بندے نے میری تعریف بیان کی اسی طرح ہر آیت کے بعد اس کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے۔ یعنی سورت فاتحہ کے ذریعے بندہ اپنے رب کے ساتھ مناجات کرتا ہے۔

* * * * * * *

فاتحہ خلف الامام

حدیث : ۱۵

((عن عبادة بن الصامت عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال : "هل تقرؤن معي؟" قالوا : نعم' قال : لا تفعلوا الا بام القرآن فانه لا صلوة لمن لم يقرء بها))

"عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کہا: کیا تم میرے ساتھ قرأت کرتے ہو؟ تو انہوں (صحابہ) نے کہا: جی ہاں' آپ نے فرمایا: سورت فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو' کیونکہ جو اس (فاتحہ) کو نہیں پڑھتا اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

(كتاب القراءة للبيهقي ص۔۶۴' ح۔۱۲۱ ط بيروت لبنان' وقال : هذا اسناد صحيح رواته ثقات) اس حدیث کو امام بیہقی کے علاوہ ضیاء المقدسی اور دارقطنی نے حسن کہا ہے۔

فوائد:

(۱) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری و سری نمازوں میں مقتدی کا وظیفہ' فاتحہ خلف الامام سرًا پڑھنا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی جہری و سری سب نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین ج۔۱' ص۔۲۳۹

وغیرہ) اسے حاکم، ذہبی اور دار قطنی نے صحیح کہا ہے۔

(۲) دیوبندیوں وبریلویوں کے نزدیک امام ومنفرد دونوں پر سورت فاتحہ فرض نہیں ہے بلکہ صرف (پہلی) دو رکعتوں میں واجب ہے۔ آخری دو رکعتوں میں اگر جان بوجھ کر فاتحہ نہ پڑھے تو نماز بالکل صحیح ہے۔ (دیکھئے قدوری ص۔۲۲، ۲۳ ھدایۃ اولین، ج۔۱، ص۔۱۴۸، فتح القدیر لابن ھمام ج۔۱، ص۔۳۹۵، بہشتی زیور ص۔۱۶۳، حصہ دوم ص۔۱۹، باب ہفتم مسئلہ ۱۷، بہار شریعت حصہ سوم ص۔۴۱ وغیرہ) اگر امام یا منفرد کی سورت فاتحہ پہلی دو رکعتوں میں بھی سہواً رہ جائے تو دیوبندیوں وبریلویوں کے نزدیک سجدہ سہو سے کام چل جائے گا۔ رکعت دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۳) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا اثر : لا قراءۃ مع الامام فی شیئی، (مسلم) قراءۃ المقتدی بالجھر پر محمول ہے۔ فاتحہ اس کے عموم سے مخصوص ہے۔ مع الامام کا مطلب جہراً مع الامام ہے یہی جواب ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ کے آثار کا ہے۔ ((من صلی وراء الامام کفاہ قراءۃ الامام۔ (اثر) وغیرہ)) سے مراد ماعدا الفاتحہ ہے۔ (۱)

(۴) جابر رضی اللہ عنہ کا اثر مرفوع حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ خود دیوبندیوں کے نزدیک دو رکعتیں فاتحہ کے بغیر ہوجاتی ہیں کما تقدم نمبر۔۲ جبکہ جابر رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایک رکعت بھی فاتحہ کے بغیر نہیں ہوتی۔ شتان بینھما ۔

(۵) فاتحہ خلف الامام کی دوسری مرفوع احادیث کے لیے تحقیق الکلام، الکواکب الدریہ وغیرہما کا مطالعہ کریں نیز حدیث نمبر۱۴ دیکھیں۔

---

(۱)۔ یعنی مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔اس کے علاوہ باقی قرأت میں امام کی قرأت کافی ہے۔

آمین بالجہر

حدیث : ۱۶

((عن وائل بن حجر انه صلی خلف رسول اللّٰه صلی اللّٰه وسلم فجهر بآمین))

"وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے آمین بالجہر کہی۔"

(سنن ابی داؤد ج۔۱، ص۔۱۴۲، ح۔۹۳۳ مع العون ج۔۱، ص۔۳۵۲) اس روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر فرماتے ہیں وسندہ صحیح (التلخیص الحبیر ج۔۱، ص۔۲۳۶، ح۔۳۵۳)

فوائد:

(۱) اس حدیث ودیگر احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جہری نماز میں امام ومقتدی دونوں آمین بالجہر کہیں گے۔

(۲) آمین بالجہر کی حدیث متواتر ہے دیکھئے کتاب الاول من کتاب التمییز للامام مسلم بن الحجاج للنیسابوری رحمہ اللّٰہ، صاحب الصحیح ص۔۴۰

(۳) جس روایت میں (سرًا) آمین کا ذکر آیا ہے امام شعبہ کے وہم کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) اگر امام شعبہ کے وہم والی روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سری نماز میں خفیہ آمین کہنی چاہئے۔

(۵) عبداللہ بن زبیرؓ سے اونچی آواز کے ساتھ آمین ثابت ہے (صحیح البخاری وغیرہ)

(٦) صحیح مسلم والی حدیث: جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو' آمین بالجہر کی دلیل ہے۔ دیکھئے تبویب صحیح ابن خزیمۃ ج۔١' ص۔٢٨٦' ح۔٥٦٩) وغیرہ کسی محدث نے اس سے آمین بالسر کا مسئلہ کشید نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ محدثین کرام اپنی روایات کو سب سے زیادہ جانتے ہیں۔

رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ

حدیث : ۱۷

((عن ابی قلابۃ انہ رای مالک بن الحویرث اذا صلی کبر ورفع یدیہ' واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع راسہ من الرکوع رفع یدیہ وحدث ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صنع ھکذا))

''ابوقلابہ (تابعی رحمہ اللہ) نے مالک بن حویرث صحابی رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ جب نماز پڑھتے اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے' اور جب رکوع کا ارادہ کرتے اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے اور حدیث بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔''

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۱۰۲' واللفظ لہ' صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۶۸)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد' رفع یدین کرنا چاہیے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین متواتر ہے۔ دیکھئے قطف الازھار المتناثرۃ للسیوطی ص۔۹۵' نظم المتناثر ص۔۹۶' ح۔۶۷ وغیرھما۔

(۳) ترک رفع یدین کی کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔ مثلاً ترمذی شریف (ح۔۲۵۷ حسنہ وصححہ

ابن حزم، وابو داؤد وغیرہما کی روایت سفیان الثوری کے "عن" کی وجہ سے ضعیف ہے سفیان ثوری مشہور مدلس ہیں دیکھئے عمدۃ القاری للعینی ج۔۱، ص۔۲۲۳، ابن الترکمانی کی الجوھر النقی ج۔۸، ص۔۲۶۲، سرفراز صفدر کی خزائن السنن ج۔۲، ص۔۷۷، ماسٹر امین اوکاڑوی کا مجموعہ رسائل ج۔۳، ص۔۳۳۱ نیز آئینہ تسکین الصدور ص۔۹۰، ۹۲ فقہ الفقیہ ص۔۱۳۴ آثار السنن ص۔۱۲۶، تحت ح۔۳۸۴، وفی نسخۃ اُخری ص۔۱۹۴

(۴) صحیح مسلم ح۔۴۳۰ میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں رفع الیدین عند الرکوع وبعدہ کا کوئی ذکر موجود نہیں بلکہ یہ روایت تشہد میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی دوسری حدیث سے ثابت ہے۔

مسند احمد میں "وھم قعود" کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں (ج۔۵، ص۔۹۳)۔

محدثین نے بھی اس پر سلام کے ابواب باندھے ہیں۔ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ اس روایت کا تعلق رکوع والے رفع یدین سے نہیں ہے دیکھئے جزء رفع الیدین للبخاری ص۔۱، التلخیص الحبیر ج۔۱، ص۔۲۲۱، خود دیوبندی حضرات نے بھی اس روایت کو رفع یدین کے خلاف پیش کرنے کو ناانصافی قرار دیا ہے دیکھئے محمد تقی عثمانی کی درس ترمذی ج۔۲، ص۔۳۶ محمود الحسن کی الورد الشذی علی جامع الترمذی ص۔۶۳، اور تقاریر شیخ الہند ص۔۶۵۔

(۵) رفع یدین کندھوں تک کرنا صحیح ہے اور کانوں تک بھی صحیح ہے دونوں طریقوں میں سے جس پر عمل کیا جائے جائز ہے۔ بعض لوگ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث (صحیح مسلم ص۔۳۹۱) سے کانوں تک رفع یدین ثابت کرتے ہیں (مثلاً محمد الیاس کی چالیس حدیثیں ص۔۹، ح۔۹) اور اس حدیث کا باقی حصہ دانستہ حذف کر دیتے ہیں جس سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

(۶) صحابہ سے رفع یدین کا کرنا ثابت ہے، نہ کرنا ثابت نہیں دیکھئے امام بخاری کی جزء رفع الیدین وغیرہ، بعض لوگوں کا سنن بیہقی سے علی رضی اللہ عنہ کا غیر ثابت شدہ اثر نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ سنن بیہقی کے محولہ صفحہ پر ہی اس اثر پر جرح موجود ہے۔

جلسہ استراحت

حدیث: ۱۸

((عن مالک بن الحویرث انه اذا رای النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی' فاذا کان فی وتر من صلاته لم ینهض حتی یستوی قاعدا))

"مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ نماز کی طاق رکعت (یعنی پہلی اور تیسری رکعت) میں ہوتے تو (دوسرے سجدے کے بعد) یکدم نہ کھڑے ہوتے بلکہ بیٹھ جاتے تھے (پھر کھڑے ہوتے تھے)۔"

(صحیح البخاری ج۔ا' ص۔۱۱۳)

فوائد:

(ا) اس حدیث پاک سے جلسہ استراحت کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ جناب ابوحمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت' رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں دوسرے سجدے سے جب فارغ ہوتے تو بیٹھ جاتے۔ دو رکعتیں پڑھ کر جب کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے۔ اور آخری رکعت میں "تورک" کرتے تھے۔ (سنن ترمذی ج۔ا' ص۔٦٧ وقال : هذا حدیث حسن صحیح) اس حدیث کو ابن خزیمہ (۵۸۷' ۵۸۸)

ابن حبان (۴۴۲، ۴۹۱، ۴۹۲بخاری-فی جزء رفع الیدین) ابن تیمیہ اور ابن القیم وغیرہم نے صحیح کہا ہے۔ اس کی سند متصل ہے اور عبدالحمید بن جعفر عند الجمہور ثقہ ہے۔ دیکھئے نصب الرایہ ج۔۱، ص۔۳۴۴)

(۲) بعض لوگ جلسۂ استراحت کو واجب کہتے ہیں کیونکہ صحیح بخاری کی ایک حدیث میں اس کا حکم آیا ہے۔ دیکھئے ج۔۲، ص۔۹۲۴ اور راجح بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ حدیث بالا ۔ کے راوی مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ : (صلوا کما رأیتمونی اصلی ۔ صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۸۸ وغیرہ) نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔

(۳) ابوداؤد (ح۔۹۶۶، و۷۳۳) کی جس حدیث میں (لم یتورک) آپ نے تورک نہیں کیا آیا ہے (اس میں چند الفاظ پہلے "فتورک" پس آپ نے تورک کیا کے الفاظ ہیں) اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آپ نے دوسرے سجدہ کے بعد تورک نہیں کیا۔ یعنی اپنی ران پر نہیں بیٹھے یہ حدیث جلسہ استراحت کے مخالف نہیں ہے کیونکہ جلسہ استراحت میں بغیر تورک کے بیٹھا جاتا ہے۔ جو لوگ اس حدیث سے صحیح بخاری کے مخالف استدلال کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ سجدہ اُولی کے بعد تورک کریں۔ معانی الآثار (۱/ ۲۶۰) وغیرہ میں اس حدیث میں رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین موجود ہے آدھی حدیث سے استدلال اور آدھی کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟

(۴) نصب الرایہ (ج۔۱، ص۔۲۸۹) اور الجوہر النقی (ج۔۲، ص۔۱۲۵) وغیرہما میں مخالفین جلسۂ استراحت نے جو آثار نقل کیے ہیں ان میں سے کوئی بھی صحیح صریح نہیں۔ بیہقی کی جس روایت میں "رمقت ابن مسعود" ہے سفیان کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے اسے "عن ابن مسعود" صحیح کہنا صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں اپنی مرضی کے آثار پیش کرنا انتہائی غلط ہے۔

تشہد میں التحیات پڑھنا فرض ہے

حدیث : ۱۹

((عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ فقال . النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قولوا : التحیات للّٰہ والصلوت والطیبات' السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ' السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ' ثم لیتخیر من الدعاء اعجبہ الیہ فیدعو))

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو : "التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات' السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ' السلام علینا وعلی عباد اللّٰہ الصالحین اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ" پھر جو دعاء پسند ہو نماز میں کرو۔"

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔ ۱۱۵' مختصرًا)

فوائد :

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں التحیات پڑھنا فرض ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے قولوا: تم کہو اور امر' وجوب کے لیے ہوتا ہے۔

(۲) کتب حدیث میں صحیح اسانید کے ساتھ التحیات کے دوسرے صیغے بھی مروی ہیں۔ اس مسئلہ میں کوئی تنگی نہیں ہے جو اختیار کریں جائز ہے تاہم تشہد ابن مسعود زیادہ راجح

ہے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ التحیات ودرود کے بعد جو دعا پسند ہو کریں بشرطیکہ زبان عربی ہو اور دعا میں شریعت کی مخالفت نہ ہو۔ بعض لوگ صحیح مسلم (ج۔۱، ص۔۲۱۷) وغیرہ کی دعا اللھم انی اعوذبک من عذاب جھنم کو صیغہ امر کی وجہ سے واجب قرار دیتے ہیں مگر ان کی تحقیق اس حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۴) السلام علیک ایھا النبی کا مطلب السلام علی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے دیکھئے صحیح بخاری ج۔۲، ص۔۹۲۶ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(۵) اگر کوئی ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اقتداء میں السلام علی النبی بھی پڑھ لے تو جائز ہے راجح وہی ہے جو اوپر حدیث میں درج ہے۔

* * * * * * *

نماز میں درود ابراہیمی کی فرضیت

حدیث: ۲۰

((عن کعب بن عجرة عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: "قولوا اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید. اللهم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید"))

"کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو: اللهم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید. اللهم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم وعلی آل ابراهیم انک حمید مجید۔"

(صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۴۷۷)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تشہد میں درود (ابراہیمی) پڑھنا فرض ہے۔

(۲) اس حدیث کے عموم اور حدیث نسائی سے استدلال کرتے ہوئے پہلے تشہد میں درود پڑھنا بھی صحیح ہے بلکہ زیادہ بہتر اور پسندیدہ ہے۔

(۳) درج بالا درود ابراہیمی کے بارے میں محمد الیاس فیصل دیوبندی تقلیدی نے نماز پیغمبر ص۔۱۹۸ اور "چالیس حدیثیں" (ص۔۲۱، ۲۲، ص۔۲۵) میں غلطی سے صحیح مسلم (ح۔۴۰۵) کا حوالہ دے دیا ہے حالانکہ یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ صحیح مسلم میں قطعاً موجود نہیں ہے صحیح بخاری کی حدیث کو جان بوجھ کر صحیح مسلم سے منسوب کر دینا محمد الیاس صاحب کی حدیث میں قلیل البضاعتی اور ضعیف ہونے کی دلیل ہے۔

درود کے بعد اشارہ کرنا

حدیث: ۲۱

((عن عبداللّٰہ بن الزبیر قال : کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری واشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابھامہ علی اصبعہ الوسطی ویلقم کفہ الیسری رکبتہ))

(صحیح مسلم ج۔۱،ص۔۲۱۶)

"عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (نماز میں) بیٹھتے دعا کرتے (تو) اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھتے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ اور اپنا انگوٹھا درمیانی انگلی (کی جڑ) پر رکھتے۔ اور بائیں ہتھیلی کو پھیلا کر اپنا گھٹنا پکڑ لیتے تھے۔"

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں عند الدعاء انگلی کا اشارہ کرنا مسنون ہے۔ بعض لوگ اشھد ان لا پر انگلی اٹھاتے اور الا اللہ پر رکھ دیتے ہیں۔ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ احادیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے کہ شروع سے آخر تک انگلی اٹھائی جائے۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی لکھتے ہیں کہ : "تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا

ہے اس میں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقاء کس وقت تک کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ حضرت قدس سرہ (یعنی رشید احمد گنگوھی ۔ ناقل) کے حضور میں پیش کیا گیا' فوراً ارشاد فرمایا کہ : ترمذی کی کتاب الدعوات میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرما رہے تھے' اور ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اسکا باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے۔" (تذکرۃ الرشید ج۔۱' ص۔۱۱۳)

(۲) بعض لوگوں نے چند فقہی روایات کی وجہ سے اس اشارہ سے منع کیا ہے مثلاً خلاصہ کیدانی کا مصنف لکھتا ہے "الباب الخامس فی المحرمات والاشارة بالسبابة کاهل الحدیث ص۔۱۵'۱۶" یعنی پانچواں باب محرمات (حرام چیزوں) میں اور شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کرنا جس طرح اہل حدیث کرتے ہیں۔ (یہ قول درج بالا حدیث کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے اصلاً مردود ہے)

(۳) اس سنت صحیحہ کے خلاف نام نہاد متجددین نے بھی اپنے مکاتیب وغیرہ میں انتہائی قابل مذمت "گوہر افشانی" کر رکھی ہے۔

دعا میں منہ پر ہاتھ پھیرنا

حدیث: ۲۲

امام بخاری نے کہا :

((حدثنا ابراهيم بن منذر قال: حدثنا محمد بن فليح قال: اخبرني ابي عن ابي نعيم ۔ وهو وهب ۔ قال: رأيت ابن عمر وابن الزبير يدعوان' يديران بالراحتين على الوجه))

"ابو نعیم وہب بن کیسان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا آپ دونوں دعا کرتے تھے۔ (پھر) اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے منہ پر پھیرتے تھے۔"

(الادب المفرد للبخاری ص۔۲۱۴' ح۔۶۰۹' باب ۲۷۶) اس روایت کی سند حسن ہے۔

فوائد:

(۱) دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانا متواتر احادیث سے ثابت ہے (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص۔۱۹۰) درج بالا حدیث سے دعا کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرنا ثابت ہوتا ہے۔

(۲) فرض نماز کے بعد اجتماعی دعا کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر بغیر التزام ولزوم کے کبھی کبھار اجتماعی دعا کر لی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

(۳) فرض نماز کے بعد انفرادی دعا کا ثبوت کئی احادیث میں ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی

ایک روایت سے انفرادی طور پر ہاتھ اٹھانا معلوم ہوتا ہے۔ (مجمع الزوائد ج۔۱۰، ص۔۱۶۹ حافظ ھیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے مگر ہمیں اس کی سند نہیں ملی تاکہ حافظ صاحب کے بیان کی تحقیق کی جاسکے۔

(۴) درخواست پر دعا کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

(۵) مجمع الزوائد والی روایت طبرانی کی سند امام ابنِ کثیر کی جامع المسانید جلد ۷ ص۵۲۶ میں موجود ہے اس کے راوی سلیمان بن الحسن العطار کے حالات مطلوب ہیں۔

نفلی نمازیں

حدیث: ۲۳

((عن ام حبیبة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم انها سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: ما من عبد مسلم یصلی للّٰہ کل یوم ثنتی عشرة رکعة تطوعًا غیر فریضة الا بنی اللّٰہ له بیتًا فی الجنة))

"نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: جو مسلمان بندہ ہر روز نماز کی فرض رکعتوں کے علاوہ بارہ رکعات نفل پڑھتا ہے۔ تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک محل بنا دیتا ہے۔"

(صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۵۱)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک ودیگر احادیث مبارکہ میں فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعات نفل کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ چار ظہر سے پہلے اور دو بعد' دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد' اور دو صبح کی فرض نماز سے پہلے۔

(۲) بعض روایات میں ظہر کے بعد چار اور عصر سے پہلے چار رکعات کی بھی فضیلت آئی ہے۔ یہ رکعتیں دو سلام سے پڑھنی چاہیئے۔ (صحیح ابن حبان الاحسان ج۔۴'

ص۔۷۷)

(۳) صحیح بخاری وغیرہ میں ظہر سے پہلے دو رکعتیں بھی ثابت ہیں۔

(۴) قیام اللیل للمروزی ص۔۵۸ وفی نسختنا ص۔۷۴ میں بلا سند ابو معمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ (نامعلوم اشخاص) مغرب کے بعد چار رکعات پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔ یہ روایت بلا سند ہونے کی وجہ سے اصلاً مردود ہے۔

(۵) قیام اللیل ص۔۵۸ میں بغیر کسی سند کے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ (نامعلوم اشخاص) عشاء سے پہلے چار رکعات پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔ یہ روایت بھی بلا سند ہونے کی وجہ سے اصلاً مردود ہے۔

(۶) یہ تمام رکعتیں دو دو کر کے پڑھنی چاہئیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات اور دن کی (نفل) نماز دو دو رکعت ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ ج۔۲، ص۔۲۱۴ ح۔۱۲۱۰ وصحیح ابن حبان ح۔۶۳۶ وغیرھما) ایک سلام کے ساتھ چار رکعتیں نفل، سنت سے ثابت نہیں ہیں۔

(۷) مغرب کی اذان کے بعد، فرض نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کا جواز ثابت ہے قول رسول بھی ہے۔ (صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۱۵۷) اور فعل رسول بھی (مختصر قیام اللیل للمقریزی ص۔۶۴، وقال: ھذا اسناد صحیح علی شرط مسلم)

(۸) مغرب کی نماز کے بعد چھ رکعتوں (اوابین) والی روایت عمر بن ابی خثعم کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ (دیکھئے ترمذی ج۔۱، ص۔۹۸ وغیرہ)

(۹) جمعہ کے خطبہ سے پہلے چار رکعتیں ثابت نہیں ہیں اور نہ کوئی خاص عدد، جتنی مقدر ہو پڑھیں۔ حالت خطبہ میں دو رکعتیں پڑھ کر بیٹھ جائیں جمعہ کے بعد چار بھی صحیح ہیں (مسلم) اور دو بھی (بخاری) چار بہتر ہیں۔ (۱)

---

(۱) یہ چار رکعت دو سلام سے الگ الگ پڑھنا چاہیئے جیسا کہ ہمارے فاضل ساتھی نے اسی صفحہ کے نمبر 6 میں لکھا ہے۔

تنبیہ : جمعہ کے بعد ظہر احتیاطی کے نام سے چار رکعت پڑھنا، قرآن مجید، حدیث، آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ وغیرہ سے ثابت نہیں لہذا یہ بدعت ہے اس سے احتیاط کریں۔ (ناشر)۔

صبح کی دو سنتیں

حدیث : ۲۴

((عن ابی هریرة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال : اذا اقیمت الصلوة فلا صلوة الا المکتوبة))

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا : جب نماز کی اقامت ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی۔"

(صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۴۷)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ فرض نماز (مثلاً صبح وغیرہ) کی اقامت کے بعد سنتیں یا نفل پڑھنا غلط اور باطل ہے۔ قرآن پاک کی آیت ((وارکعوا مع الراکعین ۔ البقرة)) اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۲) صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کی فرض نماز کے ہوتے ہوئے دو رکعتیں' نہیں پڑھنی چاہئیں۔ صحیح ابن خزیمہ (ج۔۲' ص۔۱۷۰' ح۔۱۱۲۶) کی ایک روایت میں ہے : "فنهی ان یصلی فی المسجد اذا اقیمت الصلوة" یعنی آپ ﷺ نے اقامت ہو جانے کے بعد مسجد میں دوسری نماز پڑھنے سے منع فرما دیا۔

(۳) ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جناب قیس بن قهد رضی اللہ عنہ نے صبح کے فرضوں کے بعد دو رکعتیں (سنتیں) پڑھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معلوم ہو جانے کے بعد انہیں کچھ نہ کہا بلکہ سکوت کیا۔ دیکھئے صحیح ابن خزیمہ (ج۔۲' ص۔۱۶۴) صحیح ابن حبان (ج۔۴' ص۔۸۲) المستدرک (ج۔۱' ص۔۲۷۴' ۲۷۵) اسے حاکم وذہبی دونوں نے صحیح کہا ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ جس کی صبح کی دو سنتیں رہ جائیں وہ یہ سنتیں نہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھے اور نہ طلوع ہونے کے بعد' دیکھئے الھدایۃ (ج۔۱' ص۔۱۵۶) باب ادراک الفریضۃ۔

امام صاحب کا یہ قول درج بالا احادیث صحیحہ کے خلاف ہے اور ترمذی (ح۔۴۲۳) وغیرہ کی اس ضعیف حدیث کے بھی خلاف ہے جس میں طلوع شمس کے بعد یہ سنتیں ادا کرنے کا ذکر ہے۔ (یہ روایت قتادہ مدلس کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

(۵) بعض تقلید پرستوں نے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے خلاف بعض صحابہ کے آثار پیش کئے ہیں جن میں سے اکثر ثابت نہیں۔ مثلاً مجمع الزوائد (ج۔۲' ص۔۷۵) میں بحوالہ طبرانی (ج۔۹' ص۔۳۱۹) جو اثر ہے کہ جناب ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے امام کی فرض نماز کے وقت دو سنتیں پڑھیں۔ یہ سند ابو اسحاق مدلس کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اگر طحاوی وغیرہ کے بعض آثار کو صحیح بھی مان لیا جائے تو قرآن اور مرفوع احادیث کے مقابلے میں چند آثار کو پیش کرنا غلط اور باطل ہے۔ یاد رہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جماعت کے دوران سنتیں پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔

نماز میں مسنون قراءت

حدیث: ۲۵

((عن ابی هريرة قال : كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یقرأ فی الفجر يوم الجمعة الٓم تنزیل (سورة السجدة) وهل اتی علی الانسان (سورة الدهر)-))

"ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی (فرض) نماز میں' جمعہ کے دن الٓم تنزیل - (سورة السجدة) اور هل اتی علی الانسان - (سورة الدهر) تلاوت فرماتے تھے۔"

(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۱۲۲' وصحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۸۸)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے نمازوں میں تعین قراءت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے۔

(۲) تمام مساجد کے اماموں کو چاہئے کہ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورت سجدہ اور سورت دھر کی تلاوت کریں۔

(۳) جمعہ کی فرض نماز میں' پہلی رکعت میں سورت الاعلی اور دوسری میں سورت غاشیہ پڑھنا مسنون ہے۔ اور اس طرح سورۃ الجمعہ اور سورۃ المنافقون پڑھنا بھی مسنون ہے۔ (صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۸۷'۲۸۸)

(۴) اگر جمعہ کے دن عید آجائے تو جمعہ اور عید دونوں میں سورۃ الاعلی اور سورۃ الغاشیہ

پڑھنا مسنون ہے۔ (صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۸۸، وغیرہ) عید کی نماز میں سورۃ القمر اور ق والقرآن المجید پڑھنا بھی مسنون ہے (صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۹۱)

(۵) پہلی رکعت میں چھوٹی اور دوسری میں لمبی سورت پڑھنا بھی جائز ہے مثلاً اول میں سورۃ الاعلی اور دوسری میں سورۃ الغاشیہ۔

(۶) سورتوں میں تقدیم و تاخیر بھی جائز ہے مثلاً پہلے سورت النساء پڑھے اور بعد میں آل عمران پڑھے دیکھئے صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۶۴، تاہم ترتیب بہتر ہے جیساکہ عام احادیث سے ثابت ہے۔

(۷) نماز میں ایک آیت بار بار پڑھنا بھی جائز ہے (سنن النسائی ج۔۱، ص۔۱۵۶، ۱۵۷ وصححه الحاكم والذهبی ج۔۱، ص۔۲۴۱ والبوصیری) مزید تحقیق کے لیے دیکھئے مختصر قیام اللیل للمروزی ص۔۱۳۰)

(۸) ان معین سورتوں کو صرف وہی حضرات پڑھتے ہیں جن کے ہاں سنت رسول ﷺ کی اہمیت ہے اور جنہیں اللہ تعالیٰ سنت پر عمل کی توفیق دیتا ہے۔ یاد رہے کہ سنت رسول بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ اس چیز کا مشاہدہ کرنا چاہیں تو آپ نماز جمعہ میں متبعین سنت کی کسی بھی مسجد میں چلے جائیں وہاں آپ دیکھیں گے کہ یہی مسنون سورتیں پڑھی جاری ہیں۔ جبکہ بدعت علاقائی ہوتی ہے آپ دیگر مساجد میں جاکر دیکھ لیں کہ کسی مسجد میں کچھ سورتیں پڑھی جارہی ہیں اور کسی دوسری مسجد میں کوئی اور سورتیں پڑھی جارہی ہیں اللہ تعالیٰ اپنے حبیب محمد ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تعداد رکعات وتر

حدیث : ۲۶

((عن ابن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الوتر رکعۃ من آخر اللیل))
"ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: وتر ایک رکعت ہے رات کے آخری حصہ میں سے۔"
(صحیح مسلم ج۔۱ ص۔۲۵۷ وغیرہ)

فوائد:

(۱) اس روایت سے ایک رکعت وتر کا جواز صراحت سے ثابت ہے۔

(۲) نبی ﷺ سے ایک رکعت کا ثبوت قولاً اور فعلاً دونوں طرح متعدد احادیث سے ثابت ہے مثلاً دیکھئے صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۳۶ وصحیح مسلم ج۔۱ص۔۲۵۵۔۲۵۷ وغیرھما۔

(۳) حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "الوتر حق علی کل مسلم فمن أحب ان یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدۃ فلیفعل" (وتر ہر مسلمان پر حق ہے پس جس کی مرضی ہو۔ پانچ وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو تین وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو ایک وتر پڑھے۔) (سنن ابی داؤد ج۔۱ ص۔۲۰۱ وسنن النسائی ج۔۱ ص۔۲۴۹ وغیرھما)
اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے (ج۔۴ ص۔۶۳) اور حاکم وذہبی دونوں نے بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ج۔۱ ص۔۳۰۲)

(۴) تین رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر ایک وتر

پڑھیں (صحیح مسلم ج۔۱ ص۔۲۵۴ صحیح ابن حبان ج۔۴ ص۔۷۰ مسند احمد ج۔۲ ص۔۸۶ المعجم الاوسط للطبرانی ج۔۱ ص۔۴۲۲)
ایسی ایک روایت المستدرک سے نقل کرنے کے بعد انور شاہ کاشمیری صاحب دیوبندی کہتے ہیں۔ "یہ روایت قوی ہے۔" اس اعتراف کے بعد بہانگ دہل لکھواتے ہیں کہ: "میں چودہ سال تک اس حدیث (کے جواب) میں سوچتا رہا۔ اور پھر مجھے اس کا شافی وکافی جواب مل گیا۔" (فیض الباری ج۔۲ ص۔۳۷۵ العرف الشذی ج۔۱ ص۔۱۰۷ معارف السنن ج۔۴ ص۔۲۶۴ واللفظ لہ درس ترمذی ج۔۴ ص۔۲۲۴) یہ جواب اصلاً مردود ہے اور باطنیوں کی تاویلات سے بھی زیادہ بدتر ہے۔
مومن کی تو یہ شان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم ﷺ کا فرمان آجائے تو سر تسلیم خم کردے۔ اسکا عمل اگر پہلے خلاف سنت تھا تو اب دلیل مل جانے پر اپنے عمل کو حدیث رسول کے مطابق کرلے۔ یہ کیسی ہٹ دھرمی ہے کہ حدیث رسول کو اپنے پہلے سے طے شدہ اصول اور عمل کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنا۔
"خود تو بدلتے نہیں حدیث کو بدل دیتے ہیں" اللہ تعالیٰ ایسی سوچ و فکر سے اپنی پناہ میں رکھے۔

(۵) تین وتر نماز مغرب کی طرح پڑھنے ممنوع ہیں (صحیح ابن حبان ج۔۴ ص۔۱۷ المستدرک ج۔۱ ص۔۳۰۴ وصححہ الحاکم والذہبی علی شرط البخاری ومسلم) تین رکعت وتر ایک سلام سے پڑھنے، نبی ﷺ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ (۱)

(۶) خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی انوار ساطعہ کے بدعتی مولوی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہما صحابہ رضی اللہ عنہم اس کے مُقِر اور مالک رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا۔" (براہین قاطعہ ص۔۷)

* * * * *

(۱) دیکھیں صفحہ نمبر 56۔ ناشر کی تحقیق

وتر کا طریقہ

حدیث : ۲۷

((عن ابن عمر قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یسمعناہ))

"ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (وتر کی) جفت (دو) اور وتر (ایک) رکعت کو سلام کے ساتھ جدا' علیحدہ کرتے تھے اور یہ سلام ہمیں سناتے تھے۔ یعنی اونچی آواز سے سلام کہتے تھے۔"

(صحیح ابن حبان / الاحسان ج۔۴' ص۔۷۰' ح۔۲۴۲۶)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تین رکعات وتر پڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیں اور پھر ایک علیحدہ پڑھیں۔

(۲) جن روایات میں "ثم یصلی ثلاثا" (مسلم وغیرہ) پھر آپ تین وتر پڑھتے تھے ان کا مطلب یہ ہے کہ دو علیحدہ اور ایک علیحدہ پڑھتے تھے۔ دلیل کے لیے دیکھئے صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۵۴ وغیرہ "یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدۃ ۔ (ایضًا)۔" یعنی آپ گیارہ رکعات اس طرح پڑھتے کہ ہر دو رکعت پر سلام پھیر دیتے اور آخر میں ایک وتر پڑھتے تھے۔

(۳) جن روایات میں ایک سلام سے تین رکعتوں کا ذکر آیا ہے وہ سب بلحاظ سند ضعیف ہیں۔ بعض میں قتادہ مدلس ہے۔ تاہم اگر کوئی ان ضعیف[1] روایات پر عمل کرنا چاہے تو دوسری رکعت میں تشہد کے لیے نہیں بیٹھے گا۔ بلکہ صرف آخری رکعت میں ہی تشہد کے لیے بیٹھے گا۔ جیساکہ السنن الکبری للبیھقی وغیرہ میں قتادہ کی روایت میں ہے۔ زاد المعاد ج۔۱' ص۔۳۳۰' اور مسند احمد ج۔٦' ص۔۱۵۵'۱۵٦ والی روایت "لا فصل فیھن" یزید بن یعمر کے ضعف اور حسن بصری رحمہ اللہ کے عنعنہ (دو علتوں) کی وجہ سے ضعیف ہے۔

(۴) دو تشہد اور تین وتر والی مرفوع روایت بلحاظ سند موضوع وباطل ہے۔ دیکھئے الاستیعاب ج۔۴' ج۔۱۷۴ ترجمہ ام عبد بنت اسود ومیزان الاعتدال وغیرہما' اس کے بنیادی راوی حفص بن سلیمان القاری' ابان بن ابی عیاش ہیں۔ دونوں متروک ومتہم ہیں' نیچے کی سند غائب ہے اور ایک مدلس کا عنعنہ بھی ہے۔ اتنے شدید ضعف کے باوجود "حدیث اور اہل حدیث" کے مصنف نے اس موضوع روایت سے استدلال کیا ہے دیکھئے کتاب مذکور ص۔۵٦۳' ح۔۲۲' ط مئی ۱۹۹۳ء۔

---

(۱) تین رکعات وتر ایک سلام اور ایک تشہد سے ناشر کی تحقیق میں رسول اللہ ﷺ نیز آثارِ صحابہ و تابعین سے باسند صحیح یا حسن ثابت ہیں۔ البتہ دو تشہد والی روایات کے متعلق ہمارے فاضل ساتھی کی تحقیق درست ہے۔

تفصیلات کیلئے دیکھیں فتح الباری 558/2۔ تحفۃ الاحوذی 339/1 ۔ عون المعبود۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۔ السنن الکبریٰ للبیھقی۔ التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی 22/2 تا29۔ التحقیق لابن الجوزی 457/1۔ الاحسان بترتیب ابن حبان جزء 71/4۔ سبل السلام۔ تعلیقاتِ سلفیہ علی سنن النسائی۔ مستدرک حاکم۔ مرعاۃ المفاتیح۔ فتاویٰ علماء حدیث۔ صلوۃ۔ حصہ دوم ص 189 تا 202۔ فتاویٰ عظیم آبادی 363 تا 366۔ فتاویٰ نذیریہ 531/1 تا 540۔ فتاویٰ ثنائیہ 448/1-458-528-وغیرہ۔ (از ناشر)

دعائے قنوت

حدیث : ۲۸

((عن الحسن بن علی : علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کلمات اقولھن فی الوتر - - اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت))

"حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چند کلمات سکھائے ہیں جنہیں میں وتر (نماز) میں پڑھتا ہوں اللھم اھدنی فیمن ھدیت وعافنی فیمن عافیت وتولنی فیمن تولیت وبارک لی فیما اعطیت وقنی شر ما قضیت انک تقضی ولا یقضی علیک وانہ لا یذل من والیت تبارکت ربنا وتعالیت۔"

(سنن ابی داود ج۔۱، ص۔۲۰۸، ۲۰۹، ۱۴۲۵) اسے ترمذی نے حسن، ابن خزیمہ ح۱۰۹۵۔۱۰۹۶ اور نووی نے صحیح کہا ہے۔

فوائد:

(۱) یہ مرفوع روایت قنوت وتر کے سلسلہ میں سب سے صحیح ہے۔

(۲) عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے موقوفا اللھم انا نستعینک الخ مروی ہے۔ یہ بھی صحیح ہے لیکن

درج بالا کلمات فعل نبوی ہونے کی صراحت کی وجہ سے راجح ہیں۔

(۳) سنن نسائی (ج۔۱ ص۔۲۴۸) وغیرہ میں ہے کہ "ویقنت قبل الرکوع" اور آپ رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے تھے۔ (اور یہی راجح ہے۔)

(۴) مصیبت وغیرہ کے وقت قنوت نازلہ بھی ثابت ہے۔ قنوت نازلہ میں رکوع کے بعد مسنون ہے اور اس میں دونوں ہاتھ دعا کی طرح اٹھانے مسنون ہیں دیکھئے مسند احمد ج۔۳ ص۔۱۳۷ وغیرہ۔

(۵) قنوت نازلہ پر قیاس کرتے ہوئے قنوت وتر میں بھی ہاتھ اٹھانا جائز ہیں اس بارے میں بعض ضعیف آثار بھی مروی ہیں۔ لیکن ہاتھ نہ اٹھانا راجح ہے واللہ اعلم۔

(۶) جن آثار میں ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے اس سے مراد دعا والا رفع یدین ہے شروع نماز' رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین نہیں۔ لہٰذا بعض مقلدین کا خلط مبحث کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۷) وتر یا قنوت نازلہ میں صراحت کے ساتھ منہ پر ہاتھ پھیرنا ثابت نہیں ہے۔ مگر مطلق دعامیں جائز ہے (دیکھئے حدیث نمبر۔۲۲)

قیام رمضان، یعنی تراویح

حدیث : ۲۹

((عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت : کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یصلی فیما بین ان یفرغ من صلاة العشاء، وهی التی یدعو الناس العتمة، الی الفجر احدی عشرة رکعة، یسلم بین کل رکعتین ویوتر بواحدة))

"(سیدہ) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز جسے لوگ عتمہ کہتے ہیں، سے فارغ ہونے کے بعد نماز فجر تک گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے اور ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرتے اور (پھر) ایک رکعت وتر پڑھتے تھے۔"

(صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۵۴)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کی نماز گیارہ (۲+۲+۲+۲+۲+۱) رکعات ہے صحیح بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ : رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ ﷺ گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے الخ (ج۔۱، ص۔۲۶۹ عمدة القاری ج۔۱۱، ص۔۱۲۸ کتاب الصوم، کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان) اس کے مقابلے میں بیس والی جو روایت پیش کی جاتی ہے۔ محدثین نے بالاتفاق اسے رد کر دیا ہے۔ انور شاہ کشمیری دیوبندی املاء کراتے ہیں۔ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے (العرف

الشذی ج۔۱، ص۔۱۶۶)

(۲) رسول اللہ ﷺ نے رمضان میں جو نماز پڑھی تھی۔ آٹھ رکعتیں اور وتر تھے (صحیح ابن خزیمہ ج۔۲، ج۔۱۳۸۰، صحیح ابن حبان ج۔۴، ص۔۶۲، ۶۴) اس کے راوی جمہور کے نزدیک ثقہ ہیں۔ دیکھئے تعداد رکعات قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص۔۱۶، ۱۹ اس مفہوم کی مؤید ایک روایت مسند ابی یعلیٰ میں بھی ہے جسے حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے حسن کہا ہے (مجمع الزوائد ج۔۲، ص۔۷۴)

(۳) عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم الداری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو (رمضان میں رات کے وقت) گیارہ رکعات پڑھائیں (مؤطا امام مالک ج۔۱، ص۔۱۱۴، وصححہ الضیاء والطحاوی والنیموی) اس حکم کے بموجب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گیارہ رکعات پڑھتے تھے (سنن سعید بن منصور وغیرہ وصححہ السیوطی)

(۴) عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات تراویح قولاً یا فعلاً یا تقریراً قطعا ثابت نہیں ہیں۔ یزید بن رومان کی روایت منقطع ہے دوسرا یہ کہ یہ قول ہے نہ فعل اور نہ تقریر

(۵) امام مالک بھی صرف گیارہ رکعات کے قائل تھے (کتاب الصلاۃ والتہجد لعبد الحق الاشبیلی ص۔۲۸۷) اور یہی تحقیق ابوبکر بن العربی وغیرہ کی ہے امام ابو العباس احمد بن عمر بن ابراہیم قرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) فرماتے ہیں۔ "وقال کثیر من اھل العلم: احدی عشرۃ رکعۃ اخذًا بحدیث عائشۃ المتقدم۔" (المفہم لما اشکل من تلخیص کتاب مسلم ج۔۲، ص۔۳۹۰ باب الترغیب فی قیام رمضان) بہت سے علماء نے کہا ہے کہ قیام رمضان (تراویح) کا عدد گیارہ رکعات ہے اس سلسلے میں انہوں نے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجت پکڑی جو کہ گزر چکی ہے۔

(۶) انور شاہ کاشمیری وغیرہ کے نزدیک تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے (فیض الباری ج۔۲، ص۔۴۲۰ العرف الشذی ج۔۱، ص۔۱۶۶)

تکبیرات عیدین

حدیث : ۳۰

((عن عبداللّٰه بن عمرو بن العاص قال : قال نبی اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم : التکبیر فی الفطر سبع فی الاولی وخمس فی الآخرة والقراء ة بعدهما کلتیهما))

"عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا عید الفطر (اور عید الاضحی) میں پہلی (رکعت) میں سات تکبیریں ہیں اور دوسری میں پانچ اور قراءت دونوں رکعتوں میں تکبیروں کے بعد ہے۔"

(سنن ابی داؤد ج۔۱، ص۔۱۷۰، ح۔۱۱۵۱) اسے احمد بن حنبل، علی بن المدینی، البخاری اور النووی وغیرہم نے صحیح کہا۔ (التلخیص الحبیر وغیرہ، وانظر نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود ح۔۱۱۵۱ لمؤلف هذا الکتاب)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ عید کی نماز میں بارہ تکبیریں مسنون ہیں۔ سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں۔

(۲) نافع رحمہ اللہ نے کہا: میں نے عید الاضحی اور عید الفطر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھی ہے آپ نے پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں اور دوسری میں پانچ (مؤطا امام مالک واسنادہ

صحیح) اور یہی مسئلہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے بھی ثابت ہے (دیکھئے احکام العیدین للفریابی ص۔۱۷۶ ح۔۱۲۸ و اسنادہ صحیح)

(۳) ابوداؤد کی ایک غیر قولی روایت میں چار تکبیروں کا ذکر بھی آیا ہے (ج۔۱ص۔۱۷۰ ح۔۱۱۵۳) لیکن اس کی سند ابوعائشہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ابوعائشہ کے بارے میں خلیل احمد انبیٹھوی نے کہا: ابن حزم اور ابن القطان نے کہا: مجہول ہے۔ اور ذہبی نے میزان میں کہا: غیر معروف (بذل المجہود ج۔۶، ص۔۱۹۰) اس حدیث کے راوی امام مکحول رحمۃ اللہ علیہ بھی بارہ تکبیرات کے قائل تھے (ابن ابی شیبہ والفریابی ح۔۱۴۲ باسناد صحیح)

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے پہلے ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے (مسند احمد ج۔۲، ص۔۱۳۴، وصحہ ابن الجارود) اس روایت سے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ وامام ابن المنذر رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال کیا کہ تکبیرات عید میں رفع یدین کرنا چاہئے یہ استدلال بالکل صحیح ہے اور اس کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔ (۱)

(۵) عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نماز میں ہر اشارہ پر ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے (المعجم الکبیر للطبرانی ج۔۱۷، ص۔۲۹۷) اس کی سند حسن ہے۔ (مجمع الزوائد ج۔۲، ص۔۱۰۳) لہٰذا ثابت ہوا کہ بارہ تکبیروں سے ایک سو بیس نیکیاں ملتی ہیں۔

(۶) حسن سند کے ساتھ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ تلاوت کے لیے تکبیر کہتے تھے پھر سجدہ کرتے تھے (سنن ابی داؤد ج۔۱، ص۔۲۰۷، ح۔۱۴۱۳) لہٰذا ثابت ہوا کہ سجدہ تلاوت کی تکبیر کہتے وقت بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ (۲)

---

(۱) ناشر کی تحقیق میں زوائد تکبیرات میں رفع الیدین ثابت نہیں اور فاضل مؤلف حفظہ اللہ کی تحقیق واستدلال سے اتفاق نہیں۔ مزید تفصیل کے لئے آخر میں ضروری وضاحت دیکھیں۔

(۲) سجدۂ تلاوت کے لئے تکبیر ثابت ہے البتہ سجدۂ تلاوت کے وقت رفع الیدین ناشر کے ناقص علم کے مطابق صراحت کے ساتھ کسی مرفوع حدیث یا موقوف اثر وغیرہ سے ثابت نہیں۔ ہمارے فاضل ساتھی کا جس روایت سے استدلال ہے وہ ناشر کی تحقیق میں محلِ نظر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسافت سفر جس میں قصر کرنا مسنون ہے

حدیث: ۳۱

((عن یحی بن یزید الھنائی قال: سالت انس بن مالک عن قصر الصلوۃ فقال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا خرج ثلاثۃ امیال او ثلاثۃ فراسخ شعبۃ الشاک۔ صلی رکعتین))

یحی بن یزید الہنائی سے روایت ہے کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نماز قصر کے بارے میں پوچھا' تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ جب تین میل یا تین فرسخ (نو میل) سفر کے لئے نکلتے' شعبہ کو شک ہے (تین میل یا تین فرسخ کے بارے میں) تو آپ دو رکعتیں پڑھتے۔

(صحیح مسلم ج۔۱ص۔۲۴۲)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ نو میل پر قصر کرنا مسنون ہے۔

(۲) ابن عمر رضی اللہ عنہما تو تین میل پر بھی قصر کے جواز کے قائل تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۲' ص۔۴۴۳)

(۳) عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی کے قائل تھے (فقہ عمر اردو ص ۳۹۴' مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہما)

(۴) انس رضی اللہ عنہ ۔ راوی حدیث بھی نو میل کے قائل تھے (المحلی ج۔۵' ص۔۸) احتیاط بھی

اس میں ہے کہ شک سے نکلتے ہوئے۔ کم از کم نو میل پر قصر کیا جائے۔ اس طرح تمام احادیث پر عمل بآسانی ہو جاتا ہے۔

(۵) صحیح بخاری کی جس روایت میں آیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برد (۴۸ میل) پر قصر کرتے تھے۔ اس حدیث کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ نو میل پر قصر کرنے والا خود بخود اڑتالیس میل پر قصر کرے گا۔ اس اثر میں یہ بات بالکل نہیں ہے کہ وہ ۴۸ سے کم پر قصر نہیں کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حدیث مذکور سے رسول اللہ ﷺ کا عمل مبارک تین یا (۹) میل ثابت ہے اسی میں اسوۂ حسنہ ہے۔

(ملحوظہ : یہ نو "9" میل، مسافت سفر اپنے شہر کی حدود سے نکلنے کے بعد ہے ورنہ آج کل ایک ایک شہر بھی دسیوں اور بیسیوں میلوں پر محیط ہے اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جانے والا 10، 15 میل کی مسافت طے کر لیتا ہے لیکن شہری حدود کے اندر یہ مسافت سفر کی مسافت نہیں کہلائے گی کہ قصر کرنی جائز ہو جائے۔ لیکن اس 9 میل کی مسافت پر قصر جائز ہو گی جو اپنے شہر کی حدود سے نکل کر ہو گی. حافظ صلاح الدین یوسف)

مدت قصر

حدیث: ۳۲

((عن ابن عباس قال : اقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تسعۃ عشر یقصر فنحن اذا سافرنا تسعۃ عشر قصرنا وان زدنا اتممنا))

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انیس دن قیام کیا۔ آپ قصر کرتے تھے۔ پس اگر ہم انیس دن سفر میں ہوتے تو قصر کرتے۔ اور اگر اس سے زیادہ (قیام میں) رہیں تو پوری پڑھتے ہیں۔

(صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۴۷)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انیس دن ٹھہرنے کی نیت کرنے والا مسافر قصر کرے گا۔ اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری پڑھے گا۔

(۲) ترمذی (ح۔۵۴۸) میں بلاسند آیا ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس مسافر نے پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلی وہ پوری نماز پڑھے گا۔ یہ اثر بلاسند ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۳) حدیث ابن عمر کتاب الآثار محمد بن الحسن الشیبانی میں "اخبرنا ابو حنیفۃ عن حماد قال حدثنا موسی بن مسلم عن مجاھد عن عبداللّٰہ بن عمر" کی سند سے

موجود ہے (ص۔۲۰۱، ح۔۱۸۸) لیکن یہ سند سخت ساقط الاعتبار بلکہ موضوع ہے۔

ا۔ محمد بن الحسن محدثین کے نزدیک سخت مجروح ہے بلکہ امام ابن معین نے کہا: جهمي كذاب (لسان الميزان ج۔۵، ص۔۱۳۹)

ب۔ ابوحنیفہ، جمہور محدثین مثلاً امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابن معین وغیرہم کے نزدیک ضعیف ومجروح ہے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب "الاسانيد الصحيحة في اخبار ابي حنيفة" و كتب الضعفاء، امام احمد کی جرح "بحر الدم فيمن تكلم فيه الامام احمد بمدح و ذم" میں بھی منقول ہے۔ (مصنفہ: ابن عبدالھادی)

ج۔ حماد بن ابی سلیمان مختلط ہے (مجمع الزوائد ج۔۱، ص۔۱۱۹، ۱۲۰) امام ابوحنیفہ کا اس سے سماع قبل از اختلاط ثابت نہیں ہے دیکھئے حدیث ح۔۹

(۴) جو لوگ مدت سفر کی تحدید تین دن کے اندر کرتے ہیں - ان کے پاس کوئی صریح صحیح دلیل نہیں۔ واللہ اعلم۔ (۱)

---

(۱) ناشر کی تحقیق میں امام مالک ، امام شافعی ، امام احمد بن حنبل رحمهم اللہ تعالی اور دیگر جمہور محدثین کا نقطۂ نظر : دخول وخروج کے علاوہ تین دن مدت کی تحدید درست ہے اور یہی فتویٰ استاذ العلماء عظیم محدث مولانا سلطان محمود۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ اور محدث العالم الاسلامی سابق مفتی اعظم سعودی عرب شیخ عبدالعزیز بن باز۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ کا ہے۔ تفصیل کے لئے کتاب کے آخر میں ناشر کی طرف سے ضروری وضاحت ملاحظہ فرمائیں۔

الجمع بين الصلاتين فی السفر

حدیث: ۳۳

((عن معاذ قال : خرجنا مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی غزوة تبوک فکان یصلی الظهر والعصر جمیعا والمغرب والعشاء جمیعا))

"معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ آپ ظہر وعصر کی نماز اکٹھی (یعنی جمع کرکے) پڑھتے تھے۔ اور مغرب وعشاء کی نماز اکٹھی پڑھتے تھے۔"

(صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۴۶)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے سفر میں جمع بین الصلاتین کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے شارِح اعظم و مُبَیِّنِ اعظم تھے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کا قول یا فعل قرآن پاک کے خلاف ہو۔ لہٰذا سفر میں جمع بین الصلاتین کو قرآن مجید کے مخالف سمجھنا غلط ہے۔

(۳) متعدد صحابہ' جمع بین الصلاتین فی السفر کے قائل وفاعل تھے مثلاً ابن عباس' انس بن مالک' سعد' اور ابو موسیٰ رضی اللہ عنہم (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۲' ص۔۴۵۶' ۴۵۷)

(۴) عذر کے بغیر نمازیں جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے (فقہ عمر ص۔۴۲۸ وغیرہ' وروی مرفوعا باسناد

ضعیف) سفر، بارش اور شدید عذر کی بنیاد پر جمع کرنا جائز ہے (کما ثبت فی صحیح مسلم وغیرہ) یہ سب شرعی عذر ہیں۔

(۵) جمع تقدیم مثلاً (ظہر کے وقت عصر کی نماز بھی پڑھ لینا) وجمع تاخیر (مثلاً عصر کے وقت ظہر اور عصر کی نماز پڑھ لینا) دونوں طرح جائز ہے (مشکوۃ ص۔۱۱۸، بحوالہ ابوداود ج۔۱، ص۔۱۷۷، ۱۷۸ ترمذی ج۔۱، ص۔۱۲۴) امام ابن حبان نے اسے "محفوظ صحیح" کہا (مرعاۃ المفاتیح ج۔۴، ص۔۴۰۵)

(۶) سفر میں جمع بین الصلاتین کی روایات صحیح بخاری (ج۔۱، ص۔۱۴۹) وغیرہ میں بھی موجود ہیں۔

(۷) ابن عمر رضی اللہ عنہما بارش میں بھی دو نمازیں اکٹھی پڑھتے تھے (مؤطا امام مالک ص۔۱۲۶) وغیرہ وسندہ صحیح) صحیح مسلم وغیرہ کی احادیث کا عموم بھی اسی کا مؤید ہے کہ بارش میں جمع بین الصلاتین جائز ہے۔

صلاة الاستسقاء

حدیث: ۳۴

((عن عبداللّٰہ بن زید رضی اللّٰہ عنہ قال خرج النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یستسقی فتوجہ الی القبلة یدعو وحول ردائہ ثم صلی رکعتین یجھر فیھما بالقراءة))

"عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لیے نکلے۔ پس آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا دعا کرتے ہوئے اور آپ نے اپنی چادر پلٹائی پھر آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ ان میں آپ جہر کے ساتھ قراءت کر رہے تھے۔"

(صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۳۹ واللفظ لہ' وصحیح مسلم ج۔۱ ص۔۲۹۳)

فوائد:

(۱) صحیح البخاری وغیرہ کی دوسری روایت میں ہے کہ : ثم صلی لنا رکعتین۔ پھر آپ نے ہمیں دو رکعتیں پڑھائیں۔

(۲) اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جماعت کے ساتھ استسقاء کی نماز مسنون ہے۔

(۳) اس کے برخلاف ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ : ((لیس فی الاستسقاء صلوة مسنونة فی جماعة)) ۔ (ج۔۱ ص۔۱۷۶' باب الاستسقاء) (امام ابوحنیفہ نے کہا) استسقاء کے موقعہ پر نماز باجماعت مسنون نہیں ہے!۔

* * * * * * *

صلوۃ التسبیح

حدیث: ۳۵

((عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال للعباس بن عبدالمطلب: یا عباس ! یا عماہ ! الا اعطیک ؟ الا امنحک؟ الا احبوک ؟ الا افعل بک عشر خصال اذا انت فعلت ذلک غفراللّٰہ لک ذنبک اولہ و آخرہ قدیمہ و حدیثہ' خطأہ ، وعمدہ' صغیرہ وکبیرہ' سرہ وعلانیتہ' عشر خصال : ان تصلی اربع رکعات تقرأ فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب وسورۃ فاذا فرغت من القراءۃ فی اول رکعۃ و انت قائم قلت : ((سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ و لا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر خمس عشرۃ مرۃ' ثم ترکع فتقولھا وانت راکع عشرا' ثم ترفع رأسک من الرکوع فتقولھا عشرا ثم تھوی ساجدا فتقولھا وانت ساجد عشرا' ثم ترفع رأسک من السجود فتقولھا عشرا' ثم تسجد فتقولھا عشرا ثم ترفع رأسک فتقولھا عشرا فذلک خمس و سبعون فی کل رکعۃ' تفعل ذلک فی اربع رکعات' ان استطعت ان تصلیھا فی کل یوم مرۃ فافعل' فان لم تفعل ففی کل جمعۃ مرۃ' فان لم تفعل ففی کل شھر مرۃ' فان لم تفعل ففی کل سنۃ مرۃ' فان لم تفعل ففی عمرک مرۃ))

"ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! اے چچا جان! کیا میں آپ کو کچھ عطاء نہ کروں؟ کیا آپ کو کچھ عنایت نہ کروں؟ کیا میں آپ کو کوئی تحفہ پیش نہ کروں؟ کیا میں آپ کو (درج ذیل عمل کی وجہ سے) دس اچھی خصلتوں والا نہ بنادوں؟ کہ جب آپ

یہ عمل کریں تو اللہ ذوالجلال آپ کے پہلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، انجانے میں اور جان بوجھ کر کیے گئے تمام چھوٹے بڑے، چھپے اور ظاہر گناہ معاف فرما دے؟ (اور وہ عمل یہ ہے) کہ: آپ چار رکعات نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورت فاتحہ اور کوئی ایک دوسری سورت پڑھیں۔ جب آپ اس قراءت سے فارغ ہو جائیں تو قیام کی حالت میں ہی یہ کلمات پندرہ بار پڑھیں: ((سبحان اللّٰہ والحمد للّٰہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر)) پھر آپ رکوع میں جائیں (اور رکوع کی تسبیحات سے فارغ ہو کر) رکوع میں ہی انہی کلمات کو دس بار دہرائیں۔ پھر آپ رکوع سے اٹھ جائیں اور ((سمع اللّٰہ لمن حمدہ)) وغیرہ سے فارغ ہو کر) دس بار یہی کلمات پڑھیں۔ پھر سجدہ میں جائیں (اور سجدہ کی تسبیحات اور دعائیں پڑھنے کے بعد) ان کلمات کو دس بار پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھائیں (اور اس جلسہ میں جو دعائیں ہیں وہ پڑھ کر) دس بار انہی کلمات کو دہرائیں اور پھر (دوسرے) سجدے میں چلے جائیں۔ (پہلے سجدے کی طرح) دس بار پھر اس تسبیح کو ادا کریں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھائیں (اور جلسۂ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر) دس بار اس تسبیح کو دہرائیں۔ ایک رکعت میں یہ کل پچھتر ۷۵ تسبیحات ہوئیں اسی طرح ان چاروں رکعات میں یہ عمل دہرائیں۔ اگر آپ طاقت رکھتے ہوں تو یہ نماز تسبیح روزانہ ایک بار پڑھیں اور اگر آپ ایسا نہ کر سکتے ہوں تو ہر جمعہ ایک بار پڑھیں۔ یہ بھی نہ کر سکتے ہوں تو ہر مہینہ ایک بار پڑھیں۔ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک بار، اگر آپ سال میں بھی ایک بار ایسا نہ کر سکتے ہوں تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھیں"

(سنن ابی داؤد ج۔۱، ص۔۱۹۱، ح۔۱۲۹۷) اس کی سند حسن ہے اسے ابوبکر الآجری، ابو الحسن المقدسی، ابوداؤد وغیرہم نے صحیح کہا ہے تفصیل کے لیے راقم الحروف کی "کتاب نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود" دیکھیں۔

سورج اور چاند گرہن کی نماز

حدیث: ۳۶

((عن عائشة ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم صلی بهم فی کسوف الشمس اربع رکعات فی سجدتین الاولی اطول))

"عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورج گرہن کی نماز دو رکعتوں میں چار رکوع کے ساتھ پڑھائی تھی پہلا رکوع زیادہ طویل تھا۔"

(صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۴۵ وصحیح مسلم ج۔۱ ص۔۲۹۶)

فوائد:

(۱) اس حدیث مبارک اور دیگر احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کسوف وخسوف (سورج گرہن اور چاند گرہن) کی نماز دو رکعتیں ہے۔ ہر رکعت میں دو رکوع کرنے مسنون ہیں۔ اور یہی جمہور علماء حجاز وغیرہ کا مسلک ہے۔

(۲) اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ نماز باجماعت پڑھنی مسنون ہے۔

(۳) دیوبندیوں وبریلویوں کے نزدیک ہر رکعت میں صرف ایک رکوع ہے۔ دو نہیں ہیں۔ دیکھئے الھدایہ ج۔۱ ص۔۱۷۵ وغیرہ' اس قول پر کوئی صریح دلیل نہیں لہٰذا درج بالا حدیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

(۴) سجدتین سے مراد رکعتین ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے۔ ((انه صلی اربع رکعات فی رکعتین واربع سجدات)) (ج۔۱ ص۔۲۹۶)

* * * * * *

سجود السھو

الحدیث: ۳۷

((عن عبداللّٰہ بن مسعود قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین))

"عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پس اگر تم میں سے کوئی (نماز میں) بھول جائے تو (سہو کے) دو سجدے کرے۔

" (صحیح مسلم ج۱، ص۔۲۱۳ ملخصاً)

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں اگر بھول چوک ہو جائے تو سہو کے دو سجدے کرنے چاہئیں۔

(۲) اگر تعداد رکعات مثلاً تین چار میں شک ہوجائے تو یقین کو اختیار کرکے سلام سے پہلے دو سجدے کرنے چاہئیں (صحیح مسلم ص۔۲۱۱)

(۳) اگر تشہد اول بھول جائے تو آخر میں سجدہ سہو کریں۔ (ابوداؤد وغیرہ وصححہ الترمذی)

(۴) "فتاوی عالمگیری" میں لکھا ہے: (والصواب ان یسلم تسلیمۃ واحدۃ وعلیہ الجمھور ج۱، ص۔۱۲۵) صحیح مسئلہ یہ ہے کہ ایک طرف سلام پھیرے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ نہ جانے یہاں جمہور سے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض ضرورت سے زیادہ

ہوشیار کاروباری لوگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ کوئی سودا بیچتے وقت کہتے ہیں خدا کی قسم اس کا اتنا مول لگ گیا ہے۔ اب کسی کو کیا معلوم کہ وہ حضرت گھر سے مول لگوا کر آئے ہیں۔ مذہبی کتابوں میں گھریلو جمہوریت کی بات نہیں کرنی چاہئے یہ بڑی ذمہ داری کی بات ہوتی ہے۔ انسان مغالطے میں پڑ جاتا ہے۔ (حی علی الصلاۃ ص۔۱۶۳)

(۵) محقق اہل حدیث' امام' الثقہ' المتقن الفقیہ شیخ الاسلام الخطیب حافظ خواجہ محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حنفیہ سلام کے بعد سجدہ سہو کے قائل ہیں اور عام نمازوں کے آخر میں یہ مکمل التحیات پڑھتے ہیں اور دونوں طرف سلام پھیرتے ہیں یہ پتہ نہیں انہیں کس نے بتلا دیا ہے کہ سجدہ سہو کرنا ہو تو صرف تشہد پڑھ کر ایک طرف سلام پھیرنا چاہئے ایسی کوئی حدیث نہیں ہے۔ (حی علی الصلاۃ ص۔۱۶۳)

صف کے پیچھے اکیلا نمازی

حدیث: ۳۸

((عن علی بن شیبان قال: خرجنا حتی قدمنا علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فبایعناہ وصلینا خلفہ ثم صلینا وراء ہ صلاۃ أُخری فقضی الصلاۃ فرای رجلا فردا یصلی خلف الصف قال: فوقف علیہ نبی اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم حین انصرف' قال: استقبل صلاتک' فلا صلوۃ لفرد خلف الصف))

"علی بن شیبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ کی بیعت کی۔ اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پھر ہم نے آپ کے پیچھے ایک دوسری نماز پڑھی۔ آپ نے نماز ادا کی تو ایک شخص کو دیکھا کہ صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا ہے آپ اس کے پاس کھڑے ہوگئے۔ جب اس نے سلام پھیرا تو آپ نے حکم دیا کہ اپنی نماز دوبارہ پڑھو۔ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے۔"

(سنن ابن ماجه ص۔۷۰ ح۔۱۰۰۳ وقال البوصیری : اسنادہ صحیح رجالہ ثقات) اسے ابن خزیمہ (ج۔۳' ص۔۳۰' ح۔۱۵۶۹) اور ابن حبان (موارد ح۔۴۰۱) نے صحیح قرار دیا ہے۔

فوائد:

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھنے والے شخص کی نماز نہیں ہوتی۔

(۲) وابصہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جو صف کے پیچھے اکیلے نماز پڑھے (سنن ابی داود ج۔۱' ص۔۱۰۶' ح۔۶۸۲ وصححہ ابن حبان وابن الجارود واحمد واسحاق وغیرہم وحسنہ الترمذی والبغوی)

(۳) حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ مین پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ آخر تک صف کے پیچھے اکیلے نہیں تھے بلکہ چل کر صف میں شامل ہوگئے تھے۔ اس طرح مدرک رکوع کے سلسلہ میں حدیث ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرنا بھی غلط ہے دیکھئے جزء القراۃ للبخاری وغیرہ۔

(۴) اگر کوئی شخص دو (امام ومقتدی) پر قیاس کرکے اگلی صف سے ایک آدمی کھینچ کر ملالے تو ناجائز نہیں ہے تاہم صف کے بالکل آخری کونے سے کھینچے تاکہ قطع صف سے بچ جائے بعض علماء اس کو ترجیح دیتے ہیں کہ درمیان سے آدمی کھینچے تاکہ "وسطوا الامام" وغیرہ پر عمل ہوجائے۔ واللہ اعلم۔

(۵) حنفی اصول بزدوی میں وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ کو جو مجہول لکھا ہوا ہے (ص۔۶۰) انتہائی غلط بات ہے۔ اس قسم کے اصول کی شعبدہ بازی سے تقلید پرست حضرات' سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ حالانکہ حق یہ ہے تمام صحابہ عدول ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی مجہول نہیں۔ رضی اللہ عنہم

تعدیل ارکان

حدیث: ۳۹

((عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ۔ وذکر الحدیث وفیہ ۔ فقال اذا قمت الی الصلاۃ فکبر ثم اقرأ ما تیسر معک من القرآن ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالسا ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم افعل ذلک فی صلاتک کلھا))

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور حدیث ذکر کی اور اس میں ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو اللہ اکبر کہو پھر قرآن میں سے جو میسر ہو پڑھو۔ پھر رکوع کرو حتی کہ اطمینان سے رکوع کرلو پھر سر اٹھاؤ حتی کہ اطمینان سے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتی کہ اطمینان سے سجدہ کرلو پھر اٹھو حتی کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ پھر سجدہ کرو حتی کہ اطمینان سے سجدہ کرلو پھر ساری نمازوں (رکعتوں) میں ایسے ہی کرو۔''

(صحیح البخاری ج۔۱ ص۔۱۰۹ وغیرہ وصحیح مسلم ج۔۱ ص۔۱۷۰)

فوائد:

(۱) اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ نماز میں تعدیل ارکان فرض ہے۔

(۲) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ رکوع و سجود ٹھیک طریقے پر نہیں کرتا تو فرمایا: "ما صليت ولو مُتَّ مُتَّ على غير الفطرة التى فطر الله محمدا صلى الله عليه وسلم" ۔ (صحيح البخاری ج۔۱' ص۔۱۰۹) "تو نے نماز نہیں پڑھی ہے۔ اور اگر تو (اس حالت میں) مرجاتا تو اس فطرت (دین اسلام) پر نہ مرتا جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور کیا تھا۔"

(۳) بریلویوں اور دیوبندیوں کی معتبر کتاب الهدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ تعدیل ارکان "فلیس بفرض" فرض نہیں ہے دیکھئے ج۔۱' ص۔۱۰۶' ۱۰۷ (ملخصا) بلکہ محمود الحسن الدیوبندی کی تقریر ترمذی میں بلا سند لکھا ہوا ہے کہ: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ابویوسف کے پیچھے نماز پڑھی۔ ابویوسف نے تعدیل ارکان کے بغیر جلدی جلدی نماز پڑھا دی۔ اسی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہمارے یعقوب (یعنی ابو یوسف آج) فقیہ ہوگئے ہیں۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی دوسرے وقت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اس نماز کا اعادہ بطور نفل کرلیا۔ (ص۔۱۱)

(۴) اہل الرائے کے "فقہ شریف" کی مستند (!) کتاب فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہوا ہے کہ اگر سجدہ میں دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر نہ رکھے تو (حنفی) اجماع ہے کہ نماز صحیح ہے (ج۔۱' ص۔۷۰ ط کوئٹہ بلوچستان) ظاہر ہے کہ یہ قول صحیح احادیث کے مخالف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔ ایسی نماز تو کوئی بازی گر ہی پڑھ سکتا ہے۔ العیاذ باللہ

(۵) جزء القرات للبخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ: "واذا اقيمت الصلوة فكبر ثم ثم اقرأ ما تيسر معك من القرآن ثم اركع" (اسنادہ صحیح) یعنی جب "فرض" نماز کی اقامت ہو جائے تو اللہ اکبر کہہ پھر "قرآن میں سے جو میسر ہو (یعنی سورۂ فاتحہ)" پڑھ' پھر رکوع کر' اس روایت سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر قرأت (فاتحہ) فرض ہے اور مدرک رکوع کی رکعت بغیر قرأت (فاتحہ) کے نہیں ہوتی۔

نماز جنازہ کا طریقہ

حدیث: ۴۰

((عن طلحة بن عبدالله بن عوف قال : صليت خلف ابن عباس على جنازة فقرأ بفاتحة الكتاب وقال :لتعلموا أنها سنة))

''طلحہ بن عبداللہ بن عوف نے کہا: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے ایک نماز جنازہ پڑھی۔ پس انہوں نے سورت فاتحہ (اور ایک سورت بلند آواز سے) پڑھی اور فرمایا: (میں نے اس لیے جھراً پڑھی ہے کہ) تم جان لو کہ یہ سنت (اور حق) ہے۔

(صحيح البخاری ج۔۱ ص۔۱۷۸)

پہلی بریکٹ کے الفاظ نسائی ج۔۱ ص۔۲۸۱ کے ہیں اور دوسری کے منتقی ابن الجارود (ص۔۱۸۸، ح۔۵۳۴، ۵۳۶) کے ہیں۔ آخری کے الفاظ نسائی اور ابن الجارود کے ہیں۔

فوائد:

(۱) اس حدیث سے نماز جنازہ میں سورت فاتحہ کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب وغیرہ کا عموم بھی اس کا مؤید ہے۔

(۲) مروجہ سبحانك اللهم الخ فيه‌بوجل ثناء ک اور مروجہ درود : رحمت وترحمت کا

کتاب وسنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۳) اگر صحابی مِنَ السُّنۃِ وغیرہ کے الفاظ کہے تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری ج۔۲' ص۔۷۸۵' وصحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۷۴ وغیرہما یہی بات اصول حدیث میں لکھی ہوئی ہے۔ محمد بن ابراھیم الحلبی الحنفی نے قفو الاثر فی صفو علوم الاثر ص۔۹۴ میں کہا: "واما قول الصحابی: من السنة' ذاکرًا قولاً او فعلا فله حکم الرفع عند الاکثر وهو مذهب عامة المتقدمین من اصحابنا ومختار صاحب البدائع من متاخریهم" اور صحابی کا قول من السنۃ چاہے قول سے متعلق ہو یا فعل سے۔ اکثر کے نزدیک مرفوع کے حکم میں ہے اور یہی مسلک ہمارے عام متقدمین کا ہے اور اسے ہی بدائع الصنائع کے مصنف (ملا کاسانی) نے اختیار کیا ہے جو کہ متاخرین میں سے ہیں۔

(۴) جنازہ میں قراءت وغیرہ جھرًا بھی جائز ہے جیساکہ صحیح البخاری وسنن النسائی سے ظاہر ہے اور سرًّا بھی جیساکہ ابو امامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں ہے۔ (سنن نسائی ج۔۱' ص۔۲۸۱ وغیرہ۔)

(۵) نماز جنازہ کی تکبیروں میں رفع یدین کرنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے ثابت ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۳' ص۔۲۹۶ وغیرہ۔) (۱)

(۱) رسول اللہ ﷺ سے اس کی مشروعیت ثابت نہیں البتہ یہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا موقوف عمل ہے جس کی بناء پر اگر کوئی اس پر عمل کرنا چاہے تو جواز ہے۔ دیکھیں احکام الجنائز للعلامہ البانی ص148 تمام المنة 349۔ نیل الاوطار 105/3۔ (از ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری نماز

صحیح احادیث کی روشنی میں

اس مضمون اور اشتہار میں اشاعت الدیوبند کے چن دیوبندی کے اشتہار ”مسنون نماز قرآن وسنت کی روشنی میں“
اور دیوبندیان جہلم کے اشتہارات ”رسول اکرم ﷺ کی نماز“ کے مغالطات' اکاذیب اور شبہات کے مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نماز کا وہی طریقہ مسنون اور صحیح ہے جو کہ اہل حدیث پڑھتے ہیں۔ والحمد للہ

مؤلف

حافظ زبیر علی زئی محمدی۔ فارغ التحصیل جامعہ محمدیہ
گوجرانوالہ' فارغ التحصیل جامعہ سلفیہ فیصل آباد
ایم اے (عربی)۔ ایم اے (اسلامیات) پنجاب یونیورسٹی

ناشر

مکتبۃ السنۃ، الدار السلفیۃ لنشر التراث الاسلامی

۱۸، سفید مسجد سولجر بازار نمبر ۱، کراچی فون نمبر ۷۲۲۶۵۰۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیارے نبی ﷺ کی پیاری نماز صحیح احادیث کی روشنی میں

ان الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ' من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ' و(اشھد) ان محمدا عبدہ ورسولہ'

اما بعد: فان خیر الحدیث کتاب اللّٰہ وخیر الھدی' ھدی محمد' وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ

تنبیہ:

اس مختصر مضمون اور اشتہار میں صرف صحیح یا حسن لذاتہ احادیث مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور مخالفین جماعت اہل حدیث کے شبہات کے مدلل اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ والحمد للہ

۱۔ نیت کا مسئلہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "انما الاعمال بالنیات .... الخ" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے (صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۲ واللفظ لہ' صحیح مسلم ج۔۲' ص۔۱۴۰)

اس صحیح حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ وضوء' تیمم' غسل جنابت' نماز' روزہ' حج وغیرہ

میں نیت کرنا فرض ہے۔ یاد رہے کہ نیت' دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ نماز یا وضوء کی زبان سے نیت کرنا نہ تو نبی ﷺ سے ثابت ہے اور نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے اور نہ کسی تابعی رحمۃ اللہ علیہ سے اور نہ ائمہ اربعہ سے (زاد المعاد للحافظ ابن القیم ج۔۱' ص۔۲۰۱)

۲ ۔ وضوء کا مسئلہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ .... الخ" وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ (صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۱۹)
اس صحیح حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ نماز کے لیے وضوء کرنا فرض ہے۔ وضوء پانی سے کیا جاتا ہے جو لوگ کھجور کے شربت (نبیذ) سے وضو کرنا جائز سمجھتے ہیں ان کا یہ فتوی بے دلیل اور مضحکہ خیز ہے وضوء میں سر ننگا ہونے کی صورت میں پورے سر کا مسح فرض ہے عمامہ ہونے کی صورت میں عمامہ پر مسح کرنا مسنون ہے۔ سر اور کانوں کا مسح کرنے کے بعد الٹے ہاتھوں کے ساتھ گردن کا مسح کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ وضوء کے دوران کوئی دعا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

۳ ۔ اوقات نماز کا مسئلہ:

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظھر فی الاولی منھما حین کان الفئی مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شئی مثل ظلہ .... الخ" ۔ (سنن ترمذی ج۔۱' ص۔۳۸ وقال: "حدیث حسن") مجھے جبرئیل علیہ السلام نے (اللہ کے) گھر کے قریب دو دفعہ نماز پڑھائی پہلے دن اس نے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب (زوال کے بعد والا) سایہ جوتی کے تسمے کے برابر ہوگیا اور عصر اس وقت پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کے (قد کے) برابر ہوگیا۔۔ الخ۔
اس حدیث پاک کو ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح قرار دیا ہے (صحیح ابن خزیمہ ج۔۱' ص۔۱۶۸)
ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ:

"وصلی الصبح مرة بغلس ثم صلی مرة اخری فاسفربها' ثم کانت صلوته بعد ذلک التغلیس حتی مات ولم یعد الی ان یسفر" (سنن ابی داؤد ج۔۱' ص۔۶۳' حدیث رقم۔۳۹۴) اور آپ نے ایک (پہلی) دفعہ صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھی پھر دوسری دفعہ روشنی میں پڑھی' پھر آپ وفات تک اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھتے رہے۔ روشنی میں دوبارہ صبح کی نماز نہیں پڑھی۔

اس حدیث پاک کو امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ' ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ' حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۱/ ۱۹۲'۱۹۳) اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ ظہر کی نماز سورج ڈھلنے کے فوراً بعد پڑھ لینی چاہیے۔ اس میں گرمی یا سردی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اسی طرح عصر کی نماز ایک مثل پر اور صبح کی نماز اندھیرے میں پڑھنی چاہیے۔ جس حدیث میں آیا ہے کہ جب سخت گرمی ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈی کرکے پڑھو۔ اس حدیث کا تعلق سفر کے ساتھ ہے۔ "کنا مع رسول صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر ..... الخ"(صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۷۷) سفر میں ظہر کی نماز ٹھنڈی کرکے عصر کے ساتھ ملا کر یعنی دو نمازیں جمع کرکے پڑھنا جائز ہے۔

جس حدیث میں آیا ہے کہ صبح کی نماز روشنی میں پڑھو' اس کا حکم' ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی درج بالا حدیث کی رو سے منسوخ ہے۔

۴ ۔ نماز میں مردوں اور عورتوں کا ہاتھ باندھنا:

هلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ : "یضع هذه علی صدره ... الخ" (مسند احمد ج۔۵' ص۔۲۲۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ (ہاتھ) اپنے سینہ پر رکھتے تھے ۔۔ الخ

اس کی سند حسن ہے۔ اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ مردوں اور عورتوں' سب کو نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئیں۔ مسند احمد (ج۔۱' ص۔۱۱۰) ابوداؤد (ج۔۱' ص۔۱۱۷) بیھقی (ج۔۲' ص۔۳۱) وغیرہ میں "تحت السرة" کی جو روایت ہے وہ بالاتفاق ضعیف ہے (هدایه اولین ج۔۱' ص۔۱۰۲' حاشیه رقم۔۱۷ بحواله امام نووی) اس کا راوی عبدالرحمٰن

بن اسحاق بالاتفاق ضعیف ہے (نصب الرایة ج۱، ص۳۱۴، بحوالہ نووی) مصنف ابن ابی شیبہ (ج۱، ص۳۹۰) میں وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تحت السرۃ کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

۵ ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم کا آہستہ یا جہراً پڑھنا دونوں طرح صحیح ہے دیکھئے الاعتبار للحازمی ص۸۴، وغیرہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، جھر سے پڑھا تھا (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱، ص۴۱۲ واسنادہ صحیح) یہی تحقیق عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی ہے (جزء الخطیب بحوالہ مختصر الجھر بالبسملة للخطیب ص۱۸۰ حدیث رقم ۴۱ وقال الذھبی: صحیح)

۶ ۔ فاتحة خلف الامام:

عبادہ بن الصامت البدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتدیوں کو حکم دیا: ((لا تفعلوا الا بام القرآن فانہ لا صلوة لمن لم یقرأ بھا)) "کچھ بھی نہ پڑھو سوائے سورت فاتحہ کے کیونکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔" (کتاب القراءۃ للبیھقی ص۶۴ وقال: وھذا اسناد صحیح)　اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ ہیں۔

عمر رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فاتحہ خلف الامام کے قائل وفاعل تھے دیکھئے امام بخاری رحمہ اللہ کی جزء القراۃ، امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب القراءت اور امام عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ کی تحقیق الکلام۔

بعض لوگ "فاستمعوا لہ وانصتوا" والی آیت اور "واذا قرأ فانصتوا" والی حدیث پیش کرتے ہیں حالانکہ ان دونوں کا حکم جہری نمازوں میں سورت فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت پر ہے اور اس میں اور بھی تخصیصات ہیں مثلاً مقتدی کا امام کو لقمہ دینا وغیرہ،

"من کان لہ امام" والی روایت بلحاظ سند ضعیف ہے۔ اگر یہ صحیح ہوتی تو اس کا تعلق بھی غیر فاتحہ سے ہوتا۔ کیونکہ فاتحہ خلف الامام کا خاص حکم حدیث سے ثابت ہے۔ اور یہ اصولی مسئلہ ہے کہ خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے۔

آمین بالجھر کا مسئلہ:

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "فجھر بآمین" آپ ﷺ نے آمین بالجھر کہی تھی۔ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج۱، ص۳۵۱، ۳۵۲ وقال الحافظ ابن حجر: وسندہ صحیح) آمین بالجھر کی حدیث متواتر ہے۔ (الاول من کتاب التمییز للامام مسلم رحمہ اللہ ص۴۰)

معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں آمین بالجھر کہنا مسنون ہے۔ جس روایت میں خفیہ آمین کا ذکر آیا ہے۔ اس پر محدثین کی جرح سے قطع نظر، اس سے مراد یہ ہے کہ سری نمازوں مثلاً ظہر و عصر میں خفیہ آمین کہی جائے۔ لہٰذا ہمارا ان دونوں حدیثوں پر عمل ہے والحمد للہ

عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے مقتدی اتنی زور سے آمین کہتے تھے کہ مسجد میں شور ہو جاتا تھا (صحیح البخاری ج۱، ص۱۰۷)

بعض لوگ اس روایت کا آدھا حصہ "آمین دعا" نقل کرتے ہیں اور آدھا چھپا لیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ بہت سی دعاؤں کا جہراً پڑھنا بھی حدیث پاک سے ثابت ہے۔

۸۔ رفع الیدین قبل الرکوع وبعدہ:

ابوقلابہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ: ((انہ رای مالک بن الحویرث اذا صلی کبر ورفع یدیہ، واذا اراد ان یرکع رفع یدیہ واذا رفع رأسہ من الرکوع رفع یدیہ، وحدث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صنع ھکذا)) "انہوں نے دیکھا کہ مالک بن الحویرث

رضی اللہ عنہ جب نماز پڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ اور جب رکوع کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے' اور حدیث بیان کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ (صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۱۰۲' واللفظ له' صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۱۶۸)

رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین متواتر ہے (قطف الازهار المتناثرة للسیوطی ص۔۹۵' نظم المتناثر ص۔۹۶ وغیرهما) رفع یدین کندھوں (صحیح بخاری وصحیح مسلم) اور کانوں (صحیح مسلم) تک' دونوں طرح صحیح ہے۔ بعض لوگ صحیح مسلم کی حدیث مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے کانوں تک رفع یدین ثابت کرتے ہیں اور باقی حدیث کا حصہ جان بوجھ کر چھپا جاتے ہیں جس سے رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین ثابت ہوتا ہے۔

بعض لوگ "تفسیر ابن عباس" ص۔۲۱۲ کا حوالہ پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ تفسیر' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں ہے اس کا ایک راوی کذاب ہے اور باقی سند بھی سخت مجروح ہے' دوسرے اس میں رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کا ذکر نہیں' خود ابن عباس رضی اللہ عنہما سے رفع یدین کا کرنا ثابت ہے (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۱' ص۔۲۳۵)

بعض لوگ دیوبندیوں کی چھپی ہوئی مسند الحمیدی سے "فلا یرفع" کے الفاظ پیش کرتے ہیں حالانکہ مسند الحمیدی کے دو قلمی قدیم نسخوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ یہ دونوں نسخے فوٹو سٹیٹ کی شکل میں میرے پاس موجود ہیں جو شخص دیکھنا چاہے آکر دیکھ سکتا ہے۔

خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی صاحب ایک اہم بات سمجھاتے ہیں کہ ایک عبارت بعض نسخوں میں ہو اور بعض میں نہ ہو تو وہ مشکوک ہوتی ہے (بذل المجهود ج۔۴' ص۔۴۷۱ ط بیروت) لہٰذا دیوبندی اصول سے بھی مسند حمیدی والی روایت مشکوک ہے۔

بعض لوگ ترمذی (ج۔۱' ص۔۳۵) ابوداؤد (ج۔۱' ص۔۱۱۶) وغیرہما سے ایک روایت پیش کرتے ہیں جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے۔ اس میں سفیان ثوری مدلس ہیں (الجوهر النقی ج۔۸' ص۔۲۶۲) مجموعہ رسائل اوکاڑوی ج۔۳' ص۔۳۳۱' آئینہ تسکین

الصدور ص۔۹۰، ۹۲ فقه الفقیه ص۔۱۳۴ وعام کتب المدلسین، مدلس کی عن والی روایت ناقابل حجت ہوتی ہے۔ (خزائن السنن وعام کتب اصول الحدیث) صحابہؓ سے رفع یدین کا کرنا ثابت ہے۔ نہ کرنا ثابت نہیں۔ دیکھئے (جزء رفع الیدین للبخاری) جو شخص نماز میں رفع یدین کرتا ہے اسے ہر انگلی کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے (مجمع الزوائد ج۔۲، ص۔۱۰۳)

۹ ۔ پہلی اور تیسری رکعت میں جلسۂ استراحت کا مسئلہ:

جلسۂ استراحت کا حکم (صحیح البخاری ج۔۲، ص۔۹۲۴) اور عمل (ج۔۱، ص۔۱۱۴، صحیح البخاری) دونوں ثابت ہیں ترمذی (ج۔۱، ص۔۶۴) کی جس روایت کو جلسہ استراحت کے خلاف پیش کیا جاتا ہے۔ اس کا راوی خالد بن ایاس محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ (ترمذی ج۔۱، ص۔۶۵)

۱۰ ۔ تورک کا مسئلہ:

صحیح بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ آخری (چوتھی) رکعت میں دایاں پاؤں کھڑا کرتے اور اپنا بایاں پاؤں دائیں کے نیچے سے نکال کر سرینوں کے بل بیٹھتے تھے (ج۔۱، ص۔۱۱۴) یعنی تورک کرتے تھے۔ اس کے خلاف جو روایات پیش کی جاتی ہیں ان کا تعلق دوسری رکعت والے تشہد کے ساتھ ہے آخری تشہد کے ساتھ نہیں ہے۔ مثلاً "وکان یفرش رجله الیسری وینصب رجله الیمنی" (مسلم ج۔۱، ص۔۱۹۴) وغیرہ جو لوگ تورک کے منکر ہیں انہیں چاہیئے کہ ایسی صریح روایت پیش کریں جس میں لکھا ہو کہ نبی ﷺ چوتھی رکعت کے لیے بیٹھے اور تورک نہ کیا بلکہ اپنے پاؤں پر بیٹھے۔

۱۱ ۔ فجر کی سنتیں:

جس کی فجر کی سنتیں رہ جائیں وہ فرضوں کے بعد، سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھ

سکتا ہے (صحیح ابن خزیمہ ج۔۲، ص۔۱۶۴ و صحیح ابن حبان ج۔۴، ص۔۸۲) اسے حاکم اور ذہبی دونوں نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (المستدرک ج۔۱، ص۔۲۷۴ والتلخیص)

ترمذی (ج۔۱، ص۔۹۶) کی ایک روایت میں سورج کے طلوع کے بعد سنتیں پڑھنے کا مسئلہ ہے اس کی سند قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔ دیکھئے (عمدۃ القاری ج۔۱، ص۔۱۳۱ لتدلیس قتادۃ) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ: جس شخص کی دونوں رکعات رہ جائیں وہ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے پڑھے نہ بعد میں (الھدایہ ج۔۱، ص۔۱۵۲ اولین) امام صاحب کا یہ فتویٰ اوپر والی صحیح حدیث کے خلاف ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی ضعیف حدیث کے بھی خلاف ہے دیوبندی اور بریلوی حضرات کا اس فتویٰ پر عمل بھی نہیں ہے۔

۱۲۔ وتر کا مسئلہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الوتر حق علی کل مسلم فمن أحب أن یوتر بخمس فلیفعل ومن أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدۃ فلیفعل" وتر ہر مسلمان پر حق ہے۔ جس کی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو تین وتر پڑھے اور جس کی مرضی ہو ایک وتر پڑھے۔ (سنن ابی داؤد ج۔۱، ص۔۲۰۱ و سنن النسائی ج۔۱، ص۔۲۴۹) اس حدیث کو ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ (ج۔۴، ص۔۶۳) حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے۔ (المستدرک ج۔۱، ص۔۳۰۲) وتر کی ایک رکعت کا صحیح ہونا خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی نے بھی تسلیم کیا ہے (براہین قاطعہ ص۔۷) تین رکعت وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھے اور سلام پھیر دے۔ پھر ایک وتر پڑھے۔ (صحیح مسلم ج۔۱، ص۔۲۵۴، صحیح ابن حبان ج۔۴، ص۔۷۰ وغیرھما)

سنن نسائی کی جس روایت میں ایک سلام سے تین وتروں کا ذکر آیا ہے (ج۔۱، ۲۴۸) اس کی سند قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور سعید بن ابی عروبہ رحمۃ اللہ علیہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ جن روایات میں مطلق تین وتر کا ذکر آیا ہے ان کا وہی مفہوم ہے جو اوپر صحیح مسلم و صحیح ابن

حبان کے حوالہ سے گزر چکا ہے۔ [دیکھیں ناشر کی تحقیق صفحہ نمبر 56]

۱۳ ۔ تکبیرات عیدین:

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیریں ہیں۔ سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری میں (ابوداؤد ج۔۱، ص۔۱۷۰ حدیث ۱۱۵۱)
اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ علی بن المدینی، الفقیہ المجتہد البخاری رحمۃ اللہ علیہ النووی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے صحیح کہا ہے مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بالکل صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ ابوہریرہ الفقیہ رضی اللہ عنہ بارہ تکبیریں کہتے تھے۔ بعض لوگ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ سے چھ تکبیروں والی روایت پیش کرتے ہیں اس کا راوی ابوعائشہ مجہول ہے (بذل المجهود ج۔۲، ص۔۱۹۰ وعام کتب رجال) لہٰذا یہ سند ضعیف ہے۔

۱۴ ۔ قیام رمضان:

ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: "رمضان ہو یا غیر رمضان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعات سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔۔۔۔الخ" (صحيح البخاری ج۔۱ ص۔۲۶۹، عمدة القاری ج۔۱۱، ص۔۱۲۸ کتاب الصوم، کتاب التراويح باب فضل من قام رمضان) انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب تسلیم کرتے ہیں کہ تہجد اور تراویح ایک ہی نماز ہے اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دیکھئے فیض الباری ج۔۲، ص۔۴۲۰، العرف الشذی ج۔۱، ص۔۱۲۶ اس حدیث کے مقابلے میں ابن ابی شیبہ (ج۔۲، ص۔۳۹۴) سے جو روایت پیش کی جاتی ہے وہ ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کی وجہ سے موضوع ہے۔ اس راوی کو امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے جھوٹا کہا ہے (عمدة القاری ج۔۱۱، ص۔۱۲۸) مزید جروح کے لیے تهذيب التهذيب وغیرہ کا مطالعہ کریں۔
السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ لوگوں کو گیارہ رکعات پڑھائیں (مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

ص۔۱۱۴' ج۔۱)
اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے۔ اسے طحاوی رحمہ اللہ ' ضیاء المقدسی رحمہ اللہ وغیرہما نے صحیح قرار دیا ہے۔ مشہور فرقہ پرست حنفی مولوی محمد بن علی النیموی صاحب اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: "واسنادہ صحیح" اور اس کی سند صحیح ہے (آثار السنن ص۔۲۵۰)
چودھویں صدی میں بعض فرقہ پرستوں کا اسے مضطرب کہنا غلط ہے۔ بعض لوگ ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں (بعض نامعلوم) لوگ بیس رکعات پڑھتے تھے بحوالہ السنن الکبری للبیھقی ج۔۲' ص۔۴۹۶ یہ روایت شاذ ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن الجعد ہے جو کہ ثقہ ہونے کے ساتھ جہمی تھا۔ یعنی اہل سنت والجماعت سے خارج تھا۔ وہ کہتا تھا کہ: اگر اللہ تعالیٰ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو عذاب دے تو مجھے ناپسند نہیں ہے۔ اور وہ صحابہؓ کو برا کہتا تھا۔
ایسے راوی کی روایت اگر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نہ ہو اور ثقہ راویوں کے مخالف ہو تو شاذ یعنی مردود ہوتی ہے۔ لہٰذا مؤطا امام مالک رحمہ اللہ کی متصل و صحیح روایت کے مقابلہ میں اس روایت کو کون سنتا ہے؟ دوسرے یہ کہ اس میں نامعلوم لوگوں کا عمل ہے جو کہ یقیناً صحابہؓ نہیں تھے۔ کیونکہ صحابہؓ سے گیارہ رکعات ثابت ہیں (مصنف ابن ابی شیبہ وسنن سعید بن منصور بحوالہ الحاوی للفتاوی ج۔۱' ص۔۳۴۹ بسند فی غایة الصحة)
یزید بن رومان والی روایت منقطع ہے۔ (عمدة القاری ج۔۱۱' ص۔۱۲۷) لہٰذا مردود ہے۔ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے منسوب اثر منقطع ہے (دیکھئے ابن ابی شیبہ ج۔۲' ص۔۳۹۳ وحاشیہ آثار السنن ۔۳۹۷)
منقطع روایت بالاتفاق ضعیف ہوتی ہے۔ (تیسیر مصطلح الحدیث ص۔۷۸)

۱۵ ۔ جمع بین الصلاتین فی السفر

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حج کے علاوہ دوسرے مواقع پر بھی دو نمازیں جمع کرنا ثابت ہے مثلاً
۱ ۔ مدینہ میں رفع حرج کے لیے جمع (صحیح مسلم ج۔۱' ص۔۲۴۶ عن ابن

عباس رضی اللہ عنہ)

ب ۔ غزوہ تبوک میں جمع (ایضاً عن معاذ)

ج ۔ سفر میں جمع (ایضاً)

۱۶ ۔ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنا:

حدیث میں آیا ہے کہ: "ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلی قبل المغرب رکعتین ثم قال: صلوا قبل المغرب رکعتین ... الخ" (مختصر قیام اللیل للمروزی ص۔۶۴) بے شک رسول اللہ ﷺ نے مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھیں، پھر فرمایا: مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو.... الخ

اس روایت کے بارے میں علامہ مقریزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ھذا اسناد صحیح علی شرط مسلم" اس کے خلاف رسول اللہ ﷺ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے۔

۱۷ ۔ نمازِ جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھنا:

طلحہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے سورت فاتحہ (جہراً) پڑھی اور فرمایا: تاکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سنت ہے

(صحیح البخاری ج۔۱، ص۔۱۷۸)

صحابی کا "من السنۃ" کہنا مرفوع ہوتا ہے عند الجمھور (فتح القدیر لابن ھمام الحنفی ج۔۲، ص۔۴۲۹) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "کبرت وحمدت اللّٰہ وصلیت علی نبیہ .. الخ" (موطا مالک ص۔۷۹) میں اللہ اکبر کہتا ہوں اور حمد بیان کرتا ہوں (یعنی سورت الحمد، سورت فاتحہ پڑھتا ہوں) اور نبی ﷺ پر (نماز والا) درود پڑھتا ہوں الخ۔

جل ثناؤک والی ثناء اور رحمت و ترحمت والا درود نبی ﷺ یا صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی جس روایت میں: "لا یقرأ فی الصلوۃ علی الجنازۃ" کے الفاظ ہیں (موطا

مالک رحمۃ اللہ علیہ ص۔۷۹) اس کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ آپ نماز جنازہ میں (فاتحہ کے علاوہ باقی قرآن) نہیں پڑھتے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: مجھے اس گھر کے رب سے حیا آتی ہے کہ میں کوئی ایسی نماز پڑھوں جس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھوں (مفہوم حدیث جزء القراءۃ ص۔ ۶۵' ۱۴۷' السنن الکبری للبیهقی ج۔۲' ص۔۱۶۱)

۱۸ ۔ جمعہ کی اذان ثانی

السائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "کان النداء یوم الجمعة اوله اذا جلس الامام علی المنبر علی عهد النبی صلی الله علیه وسلم وابی بکر وعمر فلما کان عثمان وکثر الناس زاد النداء الثالث علی الزوراء" (صحیح البخاری ج۔۱' ص۔۱۲۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں پہلی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے لوگوں کی کثرت کی وجہ سے دوسری اذان کا اضافہ زوراء (کے بازار) میں کر دیا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک جلیل القدر صحابی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں عثمان رضی اللہ عنہ کی مخالفت کی۔ اور اس اذان کو بدعت کہا (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۲' ص۔۱۴۰) یہی موقف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور نافع رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما کا ہے۔

لیکن ہمارے خیال میں یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔ اس میں کسی پر بدعت کا فتوی نہیں لگانا چاہئے۔ امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ کے فتوی کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے گاؤں یا شہر کے بازار میں اذان دلوائے تو صحیح ہے۔ مسجد میں یہ اذان دینا عثمان رضی اللہ عنہ یا کسی صحابی رضی اللہ عنہ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ فرقہ حنفیہ کے نزدیک مسجد میں ہر قسم کی اذان دینا ممنوع ہے۔ (فتاوی عالمگیری ج۔۱' ص۔۵۵' وفتاوی قاضی خان ج۔۱' ص۔۳۸)

اس حنفی فتوی کے خلاف آج کل کے دیوبندی اور بریلوی حضرات مسجدوں میں اذانیں دیتے ہیں ہمارے امام اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسجد میں اذان کے جواز کا ثبوت ملتا

ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ج۔۷، ص۔۱۴۶، ۱۴۷)
لہذا مسجد میں اذان دینا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ جمعہ کی پہلی اذان کا مسجد میں کوئی ثبوت نہیں ہے جو شخص یہ اذان دینا چاہے تو اس پر یہ لازم ہے کہ مسجد سے باہر، بازار میں اذان دے۔ وما علینا الا البلاغ

۱۹ ۔ سترہ کا مسئلہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لا تصلوا الا الی سُتْرَۃٍ" سترہ کے بغیر نماز نہ پڑھو۔ (السنن الکبری للبیھقی ج۔۲' ص۔۲۶۸' المستدرک للحاکم ج۔۱' ص۔۲۵۱ وقال: ھذا حدیث علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی' صحیح ابن خزیمہ ج۔۲' ص۔۱۰ وص۔۱۷' ۲۷ وصحیح ابن حبان ج۔۴' ص۔۴۵' ۴۷) مسجد ہو یا غیر مسجد' سب جگہ سترہ کا حکم یکساں ہے۔

یحیی بن ابی کثیر نے کہا: میں نے انس بن مالک کو مسجد حرام میں دیکھا۔ آپ ایک عصا کھڑا کر کے اس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ ج۔۱' ص۔۲۷۷) اس کی سند صحیح ہے۔

۲۰ ۔ سجدہ کرتے وقت' پہلے دونوں ہاتھ زمین پر لگائیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اذا سجد احدکم فلا یبرک کما یبرک البعیر ولیضع یدیہ قبل رکبتیہ" (سنن ابی داؤد ج۔۱' ص۔۱۲۹' ح۔۸۴۰ والنسائی) جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں سے پہلے (زمین پر) رکھے۔

اسے نووی رحمہ اللہ نے قوی اور عبدالحق اشبیلی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا طحاوی کے پاس ایک شاہد بھی ہے (ج۔۱' ص۔۲۵۴ وصححہ ابن خزیمۃ والحاکم ج۔۱' ص۔۲۲۶ علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی)

اونٹ کے گھٹنے اس کے اگلے دونوں پاؤں میں ہوتے ہیں (مشکل الآثار للطحاوی ج۔۱' ص۔۶۶ وعام کتب لغت) وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے منسوب جس روایت میں آیا ہے کہ آپ ﷺ پہلے گھٹنے لگاتے تھے۔ شریک القاضی کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شریک مدلس تھے جیسا کہ کتب مدلسین میں مذکور ہے۔

۲۱ ۔ سجدۂ سہو کا مسئلہ:

سجدہ سہو سلام سے پہلے بھی جائز ہے (صحیح البخاری ج۱، ص۱۶۳ وصحیح مسلم ج۱، ص۲۱۱) اور سلام کے بعد بھی جائز ہے۔ (صحیح بخاری ومسلم وغیرھما)
سجدۂ سہو میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے کا کوئی ثبوت بھی کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے وما علینا الا البلاغ

حافظ زبیر علی زئی

3 - 6 - 1998

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروری وضاحت

بابت رفع الیدین در زوائد تکبیرات عیدین ومدّت قصر

از قلم ابو عبدالمہیمن محمد افضل الأثری

میرے فاضل ساتھی نے صفحہ نمبر 62 پر زوائد تکبیرات عیدین میں رفع الیدین کے سلسلہ میں مسند احمد، المنتقی لابن الجارود سے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جس مرفوع حدیث کا ذکر کیا ہے اس میں وارد "ویرفعهما فی کل تکبیرة یکبرها قبل الرکوع" سے ان کا استدلال ہے جب کہ میری تحقیق میں ان کا یہ استدلال درج ذیل وجوہ کی بناء پر محل نظر ہے :

اَ : نماز عبادات کی سب سے اہم اور پہلی اور اعلیٰ وافضل ترین قسم ہے۔ اس میں ہر فعل کی مشروعیت کے لئے قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی قولی یا فعلی یا تقریری صریح اور صحیح یا حسن درجہ کی حدیث ہونی چاہیئے جب کہ مذکورہ حدیث سے استدلال اس معیار پر پورا نہیں اترتا۔ مذکورہ روایت سنداً صحیح ثابت ہو بھی جائے تو تب بھی اس رفع یدین درزوائد تکبیرات عیدین کی بابت وہ صریح نہیں ہے جیسا کہ امام بیہقی اور امام منذر کا استدلال ذکر کرنے کے بعد شیخ الاسلام ابن حجر العسقلانی "تلخیص الحبیر 145 بحوالہ مرعاۃ 341/2" لکھتے ہیں : والأولی عندی ترك الرفع لعدم ورود نص صریح فی ذلك، ولعدم ثبوته صریحا بحدیث مرفوع صحیح۔ یعنی میرے نزدیک اَولی یہ ہے کہ رفع یدین درزوائد تکبیرات نہ کیا جائے کیونکہ اس سلسلہ میں صریح قسم کی نص وارد نہیں ہے اور نہ ہی صراحتاً مرفوع صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے۔ یہی بات علامہ شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ مبارکپوری رحمہم اللہ تعالیٰ، علامہ البانی حفظہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی صریح حدیث ثابت ووارد نہیں ہے۔

بِ : عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث فرض نماز اور بالتبع روز مرہ کی عام رواتب وغیرہ کے معروف ومشہور رفع یدین کے متعلق ہے۔

1۔ اس کی تائید جناب علی رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع حدیث "اذا قام الی الصلوة

المکتوبۃ"(سنن دارقطنی 287/1۔السنن الکبریٰ للبیهقی 388/2 ط جدید وغیرہ)

2۔ نیز عمر بن حبیب رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مرفوع روایت "قال کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیه مع کل تکبیرة فی الصلوة المکتوبة" قال الالبانی: صحیح، (صحیح سنن ابن ماجہ ج1 ص142، صحیح ابو داؤد 724) سے ہوتی ہے۔

3۔ امام بیهقی رحمہ اللہ تعالیٰ (السنن الکبریٰ ج 1 ص 396 ط جدید) میں باب قائم کرتے ہیں۔ باب السنة فی رفع الیدین کلما کبر للرکوع۔ اور اس باب میں بقیہ کی مذکورہ روایت لائے ہیں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مذکورہ "ویرفعهما" سے رکوع والا رفع یدین مراد ہے۔

4۔ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ عون المعبود 263/1 میں "یکبرها قبل الرکوع" کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "أی للرکوع" یعنی اس سے رکوع کا رفع یدین مراد ہے

5۔ علامہ البانی حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب إرواء الغلیل ج 3 ص 113 میں مذکورہ استدلال پر نفیس اور اہم گفتگو کی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ استدلال بُعد سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کا سیاق فرض نماز کی وصف کے بارے ہے جس میں نماز عید کی زوائد تکبیریں نہیں ہیں اور یہ کہنا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں ان تکبیروں کو بھی مراد لیا ہے اس حدیث کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا۔

ج: عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ مذکورہ روایت (جس میں لفظ "ویرفعهما فی تکبیرة" الخ آئے ہیں) اس میں سند کے اعتبار سے دو وجہ سے کلام ہے:

1، اس میں ابن شہاب زہری سے روایت کرنے والے سولہ رُواۃ ہیں (دیکھیں "نور العینین" ص 46 تصنیف لطیف زبیر علی زئی حفظہ اللہ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ) ان میں سے "ویرفعهما فی تکبیرة" کا ذکر صرف دو سندوں میں ملتا ہے، ایک میں امام زہری کے شاگرد محمد بن عبداللہ بن مسلم ابن اخی ابن شہاب الزہری ہیں۔امام احمد بن حنبل نے زہری سے

روایت کرنے میں ان کو "لَيَّنَهُ" کمزور قرار دیا ہے۔ (شرح علل الترمذی لابن رجب ص 267)امام یحیٰی بن معین اور ابو حاتم نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے تفصیلات کے لئے دیکھیں تہذیب التہذیب 248/9 میزان الاعتدال ط دار الفکر ج 5 ص 38۔ سیر 197/7۔ کتاب المجروحین ج 2 ص 249۔ کتاب الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج 3 ص 81۔ کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی ج 4 ص 88۔ ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری ص 462۔ ونقل عثمان بن سعيد عن يحيىٰ ...... وابن أخي بن شهاب ضعيف۔ شرح علل الترمذی لابن رجب ص 267۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب میں ان کے متعلق لکھا ہے : صدوق له أوهام . اهـ

تاہم متابعات وغیرہ میں قابلِ اعتبار ہے انہوں نے امام زہری سے "ويرفعهما في كل تكبيرة" روایت کرنے میں طبقہ اولیٰ کے کثیر رُواۃ کی مخالفت کی ہے اور اصول کے مطابق مخالفانہ روایات میں طبقہ اولی کی روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ دیکھیں (المدخل الکبیر الیٰ السنن الکبیر للبیہقی تحقیق و تدوین ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی۔ طبع مترجم لاہور ص 100 باب اوّل روایتوں کے اختلاف میں ترجیحی پہلو. نیز دیگر مراجع و مصادر از قسم شروحاتِ حدیث و اصولِ حدیث و اصولِ فقہ)

امام زہری کے شاگرد ان کی تفصیل کے لئے طبقات کے لحاظ سے دیکھیں (شرح علل الترمذی لابن رجب ص 230 نیز 263 تا 268)

امام زہری سے مذکورہ حدیث روایت کرنے والے ان کے سولہ شاگردوں میں سے طبقہ اُولیٰ سے تعلق رکھنے والے امام مالک، امام ابن عیینہ، یونس، عُقیل، معمر، شعیب، عبیداللہ بن عمر. و دیگر سات رُواۃ مذکورہ محل استدلال ٹکڑا بیان نہیں کرتے لہٰذا اس کی توجیہ طبقہ اولی کے بیان کردہ الفاظِ حدیث سے ہٹ کر اگر کی جائے (جبکہ سیاق اس کی اجازت نہیں دیتا جیسا کہ علامہ البانی حفظہ اللہ اور دیگر شارحین حدیث کے حوالہ سے گزر

چکا) تو یہ درست نہیں بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ اور دیگر حفاظ اہلِ علم کے نزدیک تو یہ شاذ کے حکم میں آئے گا۔ دیکھیں (الرسالۃ لامام الشافعی ص 463۔ 464۔ شرح نخبۃ الفکر ط فاروقی ص 47 تا49۔ النکت علی ابن الصلاح ج 2 ص 688۔ شرح علل الترمذی لابن رجب208)۔

2 اس کی دوسری سند میں بقیہ بن ولید راوی ہے جو کہ تدلیس کی سب سے بدترین قسم تدلیس التسویۃ (تدلیس السماع والتجوید) کا مرتکب ہے ۔ 1۔ امام علائی جامع التحصیل ص 103-102 میں لکھتے ہیں : وهو مذموم جدا من وجوه كثيرة ...... منها أنه غش وتغطية ...... ولا ريب في تضعيف من اكثر من هذا النوع...... وممن اكثر منه بقية والوليد بن مسلم و تكلّم فيهما من أجله۔ (التبيين 12 التقييد 97 ۔ فتح المغيث 85) یعنی یہ متعدد وجوہ کی بناء پر انتہائی مذموم فعل ہے..... ان وجوہات سے ایک وجہ دھوکہ دہی اور ضعیف کے احوال پر پردہ پوشی اور حجت پکڑنے والے پر تلبیس ہے..... جن لوگوں نے اس نوع کا کثرت سے ارتکاب کیا ہے ان کے ضعیف ہونے میں کوئی شک نہیں اور ان میں سے بقیہ بن ولید اور ولید بن مسلم ہے اور اسی وجہ سے ان دونوں میں کلام کیا گیا ہے۔

2 : امام عبدالرحیم العراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : قلت وشرها أخو التسوية (الفیۃ الحدیث مع فتح المغیث ص 82) نیز فرماتے ہیں : وهذا شر اقسام التدليس...... وفي هذا غرور شديد ...... وممن نقل عنه أنه كان يفعل كذلك بقية بن الوليد۔ (فتح المغیث ص 84)۔

نیز فرماتے ہیں :وهذا قادح فيمن تعمد فعله۔(التقیید والایضاح ص 97۔ التبیین ص 12)۔

یعنی تدلیس التسویۃ کرنے والا سب سے بُرا ہے اور یہ بدترین تدلیس ہے۔ اس میں سخت ترین دھوکہ ہے...... بقیہ بن ولید اس کے مرتکبین سے ہے اور عمداً اس فعل کے مرتکب کے لئے یہ قدح (خرابی) پیدا کرتا ہے۔

3 : امام ابن أبی حاتم لکھتے ہیں : کان بقية من افعل الناس لهٰذا۔ (علل الحدیث 161/2 فتح المغیث 84۔ الکفایۃ 364)۔ سب لوگوں سے زیادہ بقیہ اس کے مرتکب تھے۔

4 : امام ذہبی میزان 339/1 میں لکھتے ہیں : وقال ابو الحسن بن القطان : بقية يدليس عن الضعفاء ويستبيح ذلك وهذا ان صح مفسد لعدالته۔ قلت نعم والله صح هٰذا عنه أنه يفعله۔ نیز دیکھیں تہذیب 419/1۔ یعنی ابو الحسن بن قطان فرماتے ہیں : بقیۃ ضعیف لوگوں سے تدلیس کرتا اور اس کو جائز سمجھتا تھا اس کے متعلق اگر یہ درست ثابت ہو جائے تو یہ ایسا کام ہے کہ اسکی عدالت کو یہ فاسد کر دے گا، امام ذہبی اس کے متعلق لکھتے ہیں : اللہ کی قسم اس کے متعلق یہ صحیح ہے کہ ایسا کرتا تھا۔

5 : حافظ ابن حجر نے طبقہ رابعہ کے مدلسین میں اس کو ذکر کیا ہے (طبقات المدلسین ص 49,14) اس کے مدلس ہونے کے بارے میں مزید دیکھیں التبیین لسبط ابن العجمی ص 12, 16۔ کتاب المدلسین لابی زرعۃ ص 37 منظومۃ الذہبی و منظومۃ المقدسی بآخر الطبقات۔ اتحاف للانصاری ص 6-11-20 التدلیس د: مسفر 369,60,54 وغیرہ)

6 : امام ابن حزم رحمہ اللہ ایسے مدلسین کے متعلق حکم لگاتے ہیں "فهذا رجل مجرح وهذا فسق ظاهر واجب اطراح جميع حديثه، صح انه دلس فيه أولم يصح أنه دلس فيه وسواء قال سمعت أو أخبرنا أو لم يقل كل ذالك مردود غير مقبول لأنه ساقط العدالة، غاش لاهل الاسلام باستجازته ما ذكرنا۔ (الاحکام فی اصول الاحکام ص اص 142۔ فتح المغیث للسخاوی ج 1 ص 227)۔ یہ مرد مجروح ہے اور یہ ظاہر فسق ہے اس کی تمام احادیث پھینک دینا واجب ہے چاہے ان میں تدلیس ثابت ہو یا نہ ہو، چاہے سمعتُ بھی کہے...... اس کی تمام روایات مردود، غیر مقبول ہیں، اس کی عدالت ختم ہو جاتی ہے اہلِ اسلام کو اپنی اس کارگزاری سے دھوکہ دیتا ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں انہیں لوگوں سے بقیہ بن ولید ہیں (فتح المغیث 227/1)۔

7 : امام شوکانی فرماتے ہیں : فهذا التدليس قادح فى عدالة الراوى (ارشاد الفحول ص

(103

8 : امام حاکم معرفۃ علوم الحدیث ص 132 میں لکھتے ہیں : فأما بقية بن الوليد فحدث عن خلق من خلق الله لا يوقف على أنسابهم و لا عدالتهم۔ یعنی بقیہ بن ولید نے اللہ کی مخلوق میں سے اس قدر حدیثیں بیان کی ہیں کہ جن کے نسب نامہ اور عدالت پر اطلاع نہیں مل سکی۔

9 : امام ابن عیینہ نے اس کو ابو العجب کہا ہے۔ (ضعفاء عقیلی 163/1۔ میزان 332/1۔ تہذیب 418/1)۔

10 : امام ابو حاتم فرماتے ہیں : لا يحتج به۔ (میزان 332/1۔ تہذیب 417/1) یہ قابل حجت نہیں۔

11 : امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں : لا أحتج ببقية۔ (میزان 332/1۔ تہذیب 418/1) میں بقیۃ کے ساتھ حجت نہیں پکڑتا۔

12 : امام ذہبی لکھتے ہیں : وبقية ذو غرائب وعجائب ومناكير، قال عبدالحق في غير حديث: بقية لا يحتج به. الخ (میزان 332/1) بقیۃ عجیب و غریب اور منکر روایات والا ہے۔ عبدالحق نے بہت ساری روایات میں کہا ہے بقیہ قابلِ حجت نہیں۔

13 : امام ابن عدی فرماتے ہیں : وبقية يخالف في بعض حديثه الثقات۔ (میزان 337/1، الکامل 512/2)۔ بقیہ بعض احادیث میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے۔

14 : امام ابو احمد الحاکم فرماتے ہیں : ثقة ...... لكنه ربما روى عن أقوام مثل الاوزاعي والزبيدي وعبدالله العمري احاديث شبيهة بالموضوعة۔ (تہذیب 418/1۔ الکفایۃ 364) ثقہ ہے لیکن بسا اوقات امام اوزاعی امام زبیدی ...... سے ایسی احادیث بیان کرتا ہے جو کہ موضوع کے مشابہ ہیں۔

15 : امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : قال البيهقي في الخلافيات أجمعوا على أن بقية ليس بحجة۔ (تہذیب 419/1) نیز فرماتے ہیں : لا يحتج بما ينفرد به بقية،

فكيف بما يخالف فيه (السنن الکبریٰ مع الجوھر 256/9) یعنی جس روایت کے بیان کرنے میں یہ اکیلا ہو اس کو حجت نہ بنایا جائے کجا کہ جن روایات کے بیان کرنے میں یہ دیگر رواۃ کی مخالفت کرے۔

16 : ان کی تفردات کے متعلق بعینہٖ شیخ الاسلام امام ابن حجر نے امام جوزقانی کا قول نقل کیا ہے : وقال الجوزقاني اذا تفرد بالرواية فغير محتج به. الخ۔

17 : ابو مسہر فرماتے ہیں : احذر حديث بقية وكن منه على تقية، فانها غير نقية۔ (تاریخ بغداد 124/7 ۔ تہذیب 417/1)۔ بقیہ کی بیان کردہ حدیث سے ڈرو، اور اس سے پرہیز کرو، اس کی بیان کردہ روایات صاف ستھری نہیں۔

مذکورہ روایت میں بقیہ بعض دفعہ عن سے رویات کرتا ہے جیسا کہ السنن الکبریٰ بیھقی میں ہے اور وہ بھی زُبیدی سے، جن کے متعلق امام حاکم کا قول گزر چکا۔ اور بعض دفعہ صراحت سماع کرتا ہے جیسا کہ ابو داؤد مع العون 263/1 اور المنتقی مع غوث المکدود 170/1 میں ہے تو یہ زیادت بحوالہ زُبیدی سے ان کے تفردات سے ہے۔ زُبیدی کا اور کوئی شاگرد یہ ذکر نہیں کرتا۔

تنبیہ : بقیہ کے بیان کردہ ٹکڑے کا مطلب اگر رکوع والا رفع یدین ہو جیسا کہ سیاق اور دیگر رُواۃ اور شارحین حدیث کی وضاحت اس پر دلالت کر رہی ہے تو درست، بصورت دیگر اس کا تفرد ہوگا اور ایسی صورت میں وہ دلیل نہیں بن سکتا جیسا کہ امام بیھقی اور امام جوزقانی کے حوالہ سے گزر چکا۔ مزید بر آں بقیہ کی عدالت ساقط الاعتبار ہے اور یہ ضعیف ہے جیسا کہ ائمہ جرح و تعدیل کے حوالہ سے گزر چکا۔

فائدہ : 1۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا مقام و مرتبہ اور عظمت منصوص و ثابت ہے بعد کے تمام لوگ جمع ہو کر بھی کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے مقام تک تو پہنچنا دور کی بات ان کی زندگی کی ادنیٰ جھلک کی برابری بھی نہیں کر سکتے لیکن اس سب کچھ کے باوجود ان کا ہر عمل

اور قول حجت نہیں بن سکتا دیکھیں (ارشاد الفحول للشوکانی ط جدید ص 112۔ 405۔ 406۔ نیل 105/4۔ المستصفی للغزالی 135/1۔ اصول فقہ د : وھبہ الزحیلی 858- 857/2۔ اصول فقہ للخضری ص 357-358)

2 : کسی بھی تابعی وغیرہ کا قول و فعل منصوص من اللہ و مشروع نہیں لہذا حجت نہیں بن سکتا۔ امام شافعی الرسالۃ ص 460 پر لکھتے ہیں : ومن أن يروى عن رجل من التابعين أو من دونهم قولا لا يلزمه الأخذ به، فيكون انما رواه لمعرفة قوله، لا لأنه حجة عليه، وافقه أو خالفه۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں : عمل التابعي بمفرده ولولم يخالف لا يحتج به۔ فتح الباری 306/2۔ توجیہ القاری ص 116)۔

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ تابعی کا قول و عمل حجت نہیں ہے، بیان کرنے والا صرف اس تابعی کے قول کو جاننے کے لئے بیان کرتا ہے نہ اس لئے کہ وہ حجت ہے، چاہے وہ قول بیان کرنے والے کے موافق ہو یا مخالف۔

اہلِ علم محققین کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں :

1 : امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں : رفع یدین زوائد تکبیرات میں نہ کیا جائے (مرعاۃ المفاتیح ج 2 ص 441)

2 : سفیان ثوری فرماتے ہیں : زوائد تکبیرات میں رفع یدین نہ کیا جائے (حوالہ سابقہ)

3 : امام ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : لم يصح قط أن رسول الله ﷺ رفع فيه يديه۔ (محلی ج 3 ص 296۔ ط بتحقیق الدکتور عبدالغفار) یعنی رسول اللہ ﷺ سے ان زوائد تکبیرات میں رفع یدین کرنا کبھی بھی ثابت نہیں۔

4 : شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی کی تحقیق پہلے گزر چکی کہ اس کے بارے میں کوئی صراحتاً ذکر نہیں آیا اور نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں لہذا اولیٰ یہ ہے کہ نہ کیا جائے۔ عبارت

شروع میں گزر چکی۔

5 : شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : اور تکبیرات عیدین میں رفع یدین نہ کرنا چاہیئے کیونکہ ثابت نہیں ہے الخ۔ (فتاویٰ نذیریہ ج 1 ص 454)

6 : عظیم محدث علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں : تکبیرات زوائد میں رفع یدین کرنا کسی حدیث مرفوع، صحیح سے ثابت نہیں۔ (القول السدید۔ ط مکتبۃ السنۃ ص 68۔ فتاویٰ نذیریہ ج 1 ص 455)۔

7 : علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : واما رفع الیدین فی تکبیرات العیدین، فلم یثبت فی حدیث صحیح مرفوع۔ (عون المعبود شرح سنن ابو داؤد ج 1 ص 448)

عیدین کی تکبیرات میں رفع یدین کرنا کسی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں۔

8 : علامہ عبیداللہ مبارکپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج 2 ص 341 میں) لکھتے ہیں : والحق أنه لیس فی رفع الیدین مع تکبیرات العیدین حدیث صریح مرفوع لا قوی ولا ضعیف. الخ۔

حق یہ ہے کہ عیدین کی (زوائد) تکبیرات کے رفع یدین میں کوئی صریح مرفوع حدیث نہیں ہے نہ قوی اور نہ ہی ضعیف۔

9 : عظیم محدث اور محقق علامہ ناصر الدین البانی حفظہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : زوائد تکبیرات میں رفع الیدین اور کسی قسم کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ (تمام المنۃ ص 348۔ احکام الجنائز ص 148)۔

10 : امام شوکانی رحمہ اللہ نیل الاوطار ج 4 ص 105۔ کتاب الجنائز باب القراءة والصلاة علی رسول اللہ ﷺ فیھا میں لکھتے ہیں "والحاصل أنه لم یثبت فی غیر التکبیرة الأولی شیئ یصلح للاحتجاج به عن النبی ﷺ. وافعال الصحابة واقوالهم

لاحجة فيها فينبغي أن يقتصر على الرفع عند تكبيرة الاحرام لانه لم يشرع في غيرها الا عندالانتقال من ركن الى ركن كما في سائر الصلوات ولا انتقال في صلاة الجنازة ۔ اھ ۔

نماز جنازہ میں رفع یدین تکبیر اولیٰ کے علاوہ ثابت نہیں اور صحابہ کے افعال اور اقوال حجت نہیں یہی مناسب ہے کہ تکبیر تحریمہ کے رفع یدین پر اکتفاء کیا جائے اسکے علاوہ مشروع نہیں ہاں ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت ثابت ہے جیسا کہ باقی نمازوں میں ہے۔

وجہ استدلال : امام شوکانی نے نماز شروع کرتے وقت اور ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہوتے وقت رفع یدین مشروع کہا ہے مثلاً قیام سے رکوع اور رکوع سے قیام اور پہلے التحیات سے تیسری رکعت کے لئے جبکہ زوائد تکبیرات نماز جنازہ اور عیدین میں کسی رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

خلاصہ کلام :

1 : زوائد تکبیرات عیدین، سجدہ تلاوت، نماز جنازہ کی تکبیرات کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے صراحتاً صحیح یا کم از کم حسن درجہ کی حدیث سے رفع یدین ثابت نہیں۔

2 : بلکہ اس سلسلہ میں ضعیف روایت بھی صراحتاً نہیں ملتی جیسا کہ صاحب المرعاۃ کے حوالہ سے گزر چکا۔

3 : اس سلسلہ میں جو دلائل ذکر کئے جاتے ہیں وہ ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ صراحتاً اس کے ثبوت پر دلالت نہیں کرتے۔ واللہ اعلم بالصواب.

تحدید مدتِ سفر برائے قصر نماز

مسافر کی تین صورتیں ہیں :

1 : مسافر محارِب : ایسا مسافر جو حالتِ جنگ میں ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ جنگ میں ہے نمازِ قصر اور نمازِ خوف ادا کرے گا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی 19 دن والی حدیث (بخاری مع الفتح ج 2 ص 653 ح 1080 نیز 4298، 4299) فتح مکہ کے متعلق اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی 20 دن والی حدیث (ابن حبان ج 4 ص 184، بیہقی ج 4 ص 355 ح 5574 ط جدید، ابو داؤد) غزوۂ تبوک کے متعلق اسی سے تعلق رکھتی ہے۔ مجاہد، مسلم فوجی حالتِ جنگ ہر وقت اسی خوف و خطر میں رہتا ہے کہ پیش قدمی کرے یا پیچھے ہٹے۔ لڑائی ابھی ختم ہوتی ہے یا طول پکڑتی ہے۔ نبی ﷺ کا فتح مکہ والا قیام اسی صورت کا ہے۔ فتح مکہ کے اسی قیام میں آپ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں عزیٰ کو پاش پاش کرنے اور اس کے بعد سُواع نامی بت کو توڑنے کے لئے دوسرا دستہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی اور تیسرا دستہ مناۃ نامی بت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کیلئے سعد بن زید رضی اللہ عنہ کی امارت میں بھیجا۔ اسی سفر میں ثقیف و ہوازن کے ساتھ وادی حنین میں آپ ﷺ کو مع اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معرکہ پیش آیا۔

2 : مسافر متردِّد و متذبذِب : یعنی ایسا مسافر جو تردد میں مبتلا ہو جائے، کسی ایمرجنسی وغیرہ کی وجہ سے واپسی کا حتمی و یقینی فیصلہ نہ کر پائے تو راجح صورت میں واپسی تک قصر کر سکتا ہے بموجب مرفوع حدیث جابر رضی اللہ عنہ۔ (السنن الکبریٰ باب من قال يقصر أبدًا مالم يجمع مكثا ج 4 ص 355)۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آذربائیجان میں برف باری کی وجہ سے چھ ماہ تک (بیہقی ط ج۔ ج 356/4) جناب انس رضی اللہ عنہ شام میں دو ماہ تک (بیہقی 357/4) اور بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین رامہرمز میں نو ماہ تک قصر کرتے رہے تھے۔ (بیہقی 357/4) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ شام میں طاعون کی بیماری کے سبب پچاس رات تک قصر کرتے رہے اور رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ (بیہقی 357/4)۔

3 : مسافر مقیم، ایسا مسافر جو نہ کسی تردد و پریشانی کا شکار ہو نہ حالتِ جنگ و خوف میں ۔

کسی جگہ دخول و خروج (یعنی پہنچنے اور واپس ہونے) کے دن کو شامل کئے بغیر تین دن ٹھہرنے کا ارادہ رکھتا ہے تو نماز میں قصر کرے گا، اس سے زائد مدت ٹھہرنے کی نیت و ارادہ کی صورت میں پوری نمازیں ادا کرے گا۔ دلائل ملاحظہ کریں۔

1: یحییٰ بن ابی اسحاق قال سمعت أنسا یقول "خرجنا مع النبی ﷺ من المدینة إلی مکة، فکان یصلی رکعتین رکعتین، حتی رجعنا الی المدینة۔ قلت:اقمتم بمکة شیأ؟ ــ قال اقمنا بها عشراً" بخاری مع الفتح 2، ص 653 کتاب تقصیر الصلوة ۔ باب ما جاء فی التقصیر، وکم یقیم حتی یقصر ۔ نیز ج 7 ص 615 حدیث نمبر 4297 ۔ صحیح مسلم ج 1 ص 243 کتاب صلوة المسافر۔

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ تک گئے۔ آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم واپس آ گئے۔ یحیٰ بن ابی اسحاق کہتے ہیں میں نے پوچھا: تم مکہ میں کتنا ٹھہرے؟ انہوں نے بتایا: دس دن۔

نبی ﷺ اس سفر میں مکہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات سب جگہ دس دن ٹھہرے اور مکہ میں داخل و خارج کے علاوہ تین دن قیام ہے جیسا کہ امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: "قدم النبی ﷺ وأصحابه بصبح رابعة یلبون بالحج۔ الحدیث" (بخاری مع الفتح ج 2ص 658 باب کم أقام النبی ﷺ فی حجته۔ نیز حدیث نمبر 1564, 2505, 3832) یعنی نبی ﷺ ذوالحج کی چار کی صبح کو مکہ میں تلبیہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: والمقصود بهذه الترجمة بیان ماتقدم من أن المحقق فیه نیة الإقامة هی مدة المقام بمکة قبل الخروج إلی منیٰ ثم إلی عرفة وهی اربعة أیام ملفقة لأنه قدم فی الرابع و خرج فی الثامن ۔ الخ

امام بخاری اس باب میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ نبی ﷺ چار تاریخ کو مکہ میں آئے اور آٹھ کو منیٰ روانہ ہو گئے اور آپ اس دوران نماز قصر کرتے رہے تو ثابت و متحقق ہو

گیا کہ چار دن (علاوہ آنے اور جانے کے دن کو شامل کرنے کے) نیت اقامت پر مسافر، مقیم کے حکم میں آئے گا۔

ظاہر ہے کہ یہ سفر نہ خوف اور نہ ہی تردد والا ہے اور آپ ﷺ نے پانچ، چھ، سات ذوالحج تین دن قیام کیا ہے۔ حافظ ابن حجر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں فتح 655/2 عبداللہ بن عباس کی حدیث 19 دن اور انس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں. والحق أنهما مختلفان، فالمدة التی فی حدیث ابن عباس یسوغ الاستدلال بها علی من لم ینوالإقامة بل کان مترددا متیٰ یتهیأ له فراغ حاجته یرحل، والمدة التی فی حدیث أنس یستدل بها علی من نویٰ الاقامة لأنه ﷺ فی أیام الحج کانا جازما بالاقاماة تلك المدة۔

یعنی حق یہ ہے کہ دونوں الگ سفر ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ مدت سے اُس کے لئے دلیل لینا جائز ہے جو ٹھہرنے کی نیت نہیں رکھتابلکہ متردد ہے جیسے اپنے کام سے فارغ ہو سفر کرے۔ اور انس رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث ٹھہرنے کی نیت کرنے والے کے بارے میں ہے اس لئے کہ نبی ﷺ کا ایام حج کی اس مدت میں قیام یقینی تھا۔

امام نووی شرح المسلم 243/1 میں انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں : ففیه دلیل علیٰ ان المسافر اذا نوی اقامة دون أربعة ایام سوی یومی الدخول والخروج یقصر وان الثلثة لیست إقامة لأن النبی ﷺ أقام هو والمهاجرون ثلاثا بمکة فدل علیٰ أن الثلثة لیست إقامة شرعیة وإن یومی الدخول والخروج لا یحسبان منها وبهذه الجملة قال الشافعی وجمهور العلماء وفیه خلاف منتشر للسلف۔

یہ حدیث دلیل ہے اس بات کی کہ مسافر جب دخول و خروج کے علاوہ چار دن سے کم اقامت کی نیت کرتا ہے تو نماز قصر کرے گا۔ آپ ﷺ اور مہاجرین تین دن مکہ میں

ٹھہرے جس سے ثابت ہوا کہ تین دن کا قیام شریعت میں مقیم کے حکم میں نہیں لاتا اور داخل ہونے اور نکلنے کو شمار میں نہیں لایا جائے گا۔ امام شافعی اور جمہور کا یہی مذہب ہے۔ ویسے سلف کا اس میں اختلاف ہے۔

2: عمر بن عبدالعزیز یسأل السائب ابن أخت النمر: ما سمعت فی سکنی مکة؟ قال سمعت العلاء بن الحضرمی قال: قال رسول الله ﷺ ثلاث للمهاجر بعد الصدر۔ (بخاری مع الفتح ج 7 ص 313 باب اقامة المهاجر بمكـة، بعد قضاء نسكه كتاب مناقب الانصار۔ صحیح مسلم ج 1 ص 437 باب جواز الإقامة بمكة للمهاجر منها بعد فراغ الحج والعمرة ثلاثة أيام بلا زيادة۔ سنن نسائی ط سلفیہ 170/1، ترمذی مع التحفة 119/2، ابو داؤد مع العون 162/2، ابن ماجہ حدیث نمبر 1073، مسند احمد 339/4 ,52/5، المنتقی مع غوث المکدود 202/1، مصنف عبدالرزاق 8842-8843، بیہقی 147/3)۔

علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مہاجرین منیٰ سے واپس ہونے کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہر سکتے ہیں۔

امام نووی 437/1 میں لکھتے ہیں: واستدل اصحابنا وغيرهم بهذا الحديث على أن إقامة ثلثة ليس لها حكم حكم الإقامة بل صاحبها فی حكم المسافر قالوا فاذا نوى المسافر الإقامة فی بلد ثلثة أيام غير يوم الدخول ويوم الخروج جاز له الترخص برخص السفر من القصر والفطر وغيرهما من رخصة ولا يصير له حكم المقيم۔

یعنی یہ حدیث دلیل ہے کہ تین دن کی اقامت پر مسافر کا حکم ہے۔ یہ اقامت نہیں، دخول اور خروج کو نکال کر تین دن کی نیت پر مسافر والی رخصت ہوگی اس پر مقیم کا حکم نہیں۔

شیخ الاسلام امام ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ويستنبط من ذلك أن إقامة ثلاثة ايام لا تخرج صاحبها عن حكم المسافر۔ فتح الباری 313/7۔

امام قرطبی فرماتے ہیں : وأعلمهم أن اقامة الثلاث ليس بإقامة (حوالہ ایضاً)
یعنی تین دن قیام اقامت مسافر کے حکم سے خارج نہیں کرتا۔

3 : مالك عن نافع عن أسلم مولىٰ عمر بن الخطاب [أن عمررضى الله عنه] ضرب لليهود والنصارىٰ والمجوس بالمدينة إقامة ثلاث ليال يتسوّقون بها ويقضون حوائجهم ولا يُقيم أحد منهم فوق ثلاث ليال۔ السنن الکبریٰ ط جدید ج 4 ص 349۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں (کو سرزمین حجاز سے جلا وطن کرنے کے بعد) ان کے لئے تین رات مدینہ میں تجارت اور اپنی ضروریات پورا کرنے کے لئے مقرر کی تھیں، تین رات سے زیادہ اقامت کی اجازت نہیں دی۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ مسافر تین رات کا ہوتا ہے۔

4 : امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں...... سعيد بن المسيب قال من أجمع إقامة اربع ليال وهو مسافر أتم الصلاة۔ قال مالك و ذلك أحب ما سمعت إليّ۔

سعید بن میبّب فرماتے ہیں جس نے چار رات قیام کا پختہ ارادہ کر لیا وہ نماز پوری پڑھے۔ امام مالک فرماتے ہیں : جو کچھ میں نے سنا ہے اس میں میرے نزدیک یہ سب سے بہتر ہے۔ (مؤطا امام مالک ج 1 ص 149۔ السنن الکبری ج 4 ص 349)۔

نیز امام مالک فرماتے ہیں : وذلك الأمر الذى لم يزل عليه أهل العلم عندنا۔ (السنن الکبریٰ ج 4 ص 349 ط ج) ہمارے ہاں ہمیشہ سے اہلِ علم اسی پر ہیں۔

5۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہودیوں کے لئے تین دن مقرر کرنا اور نبی ﷺ کا مہاجرین کو تین دن مکہ میں رہنے کی اجازت دینے کو اس بات کی دلیل بنایا ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تک رخصت ہے اس کے بعد مقیم کے حکم میں آجائے گا۔ دیکھیں السنن الکبریٰ ج 4 ص 349۔350 ط ج)۔

6۔ امام بیہقی نے بھی اسی کو درست و ثابت قرار دیا ہے۔ (حوالہ مذکورہ)۔

7۔ امام ابن جارود نے (المنتقی مع الغوث 202/1 باب ما جاء فی صلاۃ المسافر میں) علاء بن الحضرمی اور انس رضی اللہ عنہما کی احادیث ذکر کی ہیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ذکر نہیں کی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عام مسافر کے لئے وہ نہیں۔

9،8۔ امام بخاری نے (بخاری مع الفتح 653/2) عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ساتھ انس رضی اللہ عنہ اور امام نسائی نے اس کے ساتھ (170/1 ط سلفیہ باب المقام الذی یقصر بمثله الصلاۃ) علاء بن الحضرمی کی حدیث ذکر کر کے سفر کی الگ الگ نوعیت کی تعیین کی ہے اس کے ساتھ (170/1 ط سلفیہ باب المقام الذی یقصر بمثله الصلاۃ)۔

10۔ امام ترمذی نے امام مالک، شافعی، احمد کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (ترمذی مع التحفة 385/1)۔

11۔ علامہ عبیداللہ مبارکپوری نے (مرعاۃ 261/2) پر اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

12۔ نواب صدیق الحسن خاں رحمہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے (الروضۃ الندیۃ۔ محقق نسخہ ج 1 ص 379 تا 382)۔

13۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت الاستاذ مولانا سلطان محمود رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ تھا۔

14۔ محدث العالم الاسلامی سابق مفتی اعظم سعودیہ عربیہ شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ مترجم اردو ج 1 ص 73)۔

15۔ مشہور سیرت نگار علامہ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (بلوغ المرام مع الاتحاف حدیث نمبر 421-425 مترجم ج 1 ص 295)۔

16۔ عظیم مذہبی اسکالر حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی بھی یہی تحقیق ہے۔ احسن البیان سورۃ النساء حاشیہ تحت آیت نمبر 101۔ نماز نبوی ﷺ۔ تألیف ڈاکٹر شفیق حاشیہ 1 ص 245)۔ هذا ما عندنا والله اعلم الصواب۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی محمد وعلی آلہ و صحبہ وسلم